رُباعیات

(۱)

ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا ممکن نہیں یک زبان و یک دل ہونا
میں تجھ سے اور مجھ سے تو پوشیدہ ہے مفت نگاہ کا مقابل ہونا

مُفت : رائگاں ہونا۔ نگاہ کا مقابل ہونا : ایک دوسرے کی نگاہیں چار ہونا مراد نہیں بلکہ اپنی نگاہ کا آنکھ سے نکل کر پیش منظر پر پڑنا مراد ہے۔ کہتے ہیں۔ دوستی کتنی بھی کامل کیوں نہ ہو دو دوستوں کے خیالات اور اقوال ہر موقع پر بالکل یکساں نہیں ہو سکتے ہیں اور تو ایک دوسرے کی نگاہوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے میری نگاہ کا سامنے کو دیکھنا ضائع جاتا ہے۔ تیرے ساتھ میری دوستی کامل ہے لیکن ہم دونوں یک زبان و یک دل تو درکنار ایک دوسرے کی آنکھوں سے بھی اوجھل ہیں۔

(۲)

سامان ہزار جستجو یعنی، دل ساغر کش خونِ آرزو یعنی دل
پشت و رُخِ آئینہ ہے، دین و دُنیا منظور ہے دو جہاں سے تو یعنی دل

دل میں ہزار چیزوں کی جستجو اور طلب رہتی ہے۔ یہ آرزوئیں پوری تو ہوتیں نہیں، اس لئے دل آرزوؤں کے خون کا پیالہ پیتا ہے۔ دین اور دُنیا ایک ہی آئینے کے دو رُخ ہیں مثلاً دُنیا آئینے کا سامنے کا رُخ ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں اور دین اس کے پیچھے کا رُخ۔ دُنیا تو یہ دُنیا ہے ہی۔ دین کا تعلق دوسری دُنیا سے ہے اس لئے دین و دُنیا کو بہ آسانی آئینے کی پشت و رُخ کہہ سکتے ہیں۔ اے محبوب حقیقی دو جہاں کہہ کر تجھے مراد لے سکتے ہیں اور تو اور میرا دل ایک ہیں کیونکہ دل میں دونوں جہانوں کی طلب بھری ہوئی ہے۔

اے کاش بتاں کا خنجرِ سینہ شگاف پہلوئے حیات سے گزر جاتا صاف
اک تسمہ لگا رہا کہ تا روزے چند رہیئے نہ مشقتِ گدائی سے معاف

حسینوں نے ہمارے پہلو پر خنجر سے وار کیا لیکن اوچھا گیا۔ ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ زندہ رہیں گے لیکن مجروح رہیں گے۔ شاید انھوں نے ایسا قصداً کیا ہے کہ ہم جسم و جاں کو یکجا رکھنے کے لئے بھیک مانگنے کی مشقت میں مبتلا رہیں۔

(۴)

اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ ہے اصلِ خرد سے شرمسار اندیشہ
یک قطرۂ خون و دعوتِ صد نشتر یک وہم و عبادتِ ہزار اندیشہ

فہم بے شمار اندیشہ : بہت سے اندیشوں میں مبتلا رہنے والی عقل۔ عبادتِ ہزار اندیشہ : یہ ترکیب اضافی نہیں بلکہ توصیفی ہے۔ ہزار اندیشوں والی عبادت۔

غالب نے ایک شعر میں کہا ہے

کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر اِن اصنامِ خیالی نے مجھے

اس رُباعی میں بھی کثرت آرائیِ وہم کا ذکر ہے۔ اے طرح طرح کے وہم کرنے والی عقل اور اے کثرت بیں عقل، اندیشہ یعنی خیال اصلی عقل سے شرمندہ ہے۔ حقیقی عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا نہ ہو کر ہر چیز میں وحدت کا مشاہدہ کرو۔ جو فہم طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا رہتی ہے وہ عقل کی اصل سے ہٹی ہوئی ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی ہے جیسے ایک قطرۂ خون ہو اور سو نشتروں کو دعوت دی جائے کہ فصد کھولو۔ "یک وہم" سے مراد "ایک کمزور عقیدہ" ہو سکتا ہے یا اس سے بھی زیادہ قرینِ قیاس دُنیا کو وہم کہا ہے۔ ایک کمزور عقیدہ یا ایک موہوم دُنیا ہے اور ہزار طرح کے شکوک و شبہات سے لبریز عبادت ہے۔ اس کثرت بینی اور کثرتِ اوہام کی جگہ وحدت کی طرف راغب ہونا چاہیے۔ پہلے مصرع میں کثرتِ فہم کے معنی عقل کی زیادتی ہو سکتے ہیں لیکن اس سے بہتر یہ ہے "فہم کی آفریدہ کثرتِ موجودات۔"

(۵)

دل سوزِ جنوں سے جلوہ منظر ہے آج — نیرنگِ زمانہ فتنہ پرور ہے آج
یک تارِ نفس میں، جوں طنابِ صنّاع — ہر پارۂ دل، برنگِ دیگر ہے آج

طنابِ صنّاع: کسی ہوشیار کاریگر کی بنائی ہوئی رنگین رسّی یا ڈوری جس میں کئی رنگ کے دھاگے لگے ہوں۔ جنون سے دل جل کر جلوہ کر رہا ہے۔ فتنہ پرور زمانے کی نیرنگی دکھائی دے رہی ہے۔ جس طرح کسی ہوشیار کاریگر کی ایک ڈوری میں کئی مقام پر مختلف رنگ ہوتے ہیں اسی طرح میرے سانس کے تار میں دل کے ٹکڑے ہیں جن میں سے ہر ایک کا رنگ مختلف ہے

گو جوہرِ امتیاز ہوتا ہم میں — رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں
ہیں نام و نگیں، کمیں گہِ نقبِ شعور — یہ چور پڑا ہے خانۂ خاتم میں

انگوٹھی کے نگین پر نام کھدا ہوتا تھا جس سے مہر کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اگر ہم میں تمیز کا جوہر ہوتا تو اپنے نام کی مہر لگا کر خود کو دُنیا میں رسوا نہ کرتے۔ انگوٹھی کے نگیں پر نام کھدا ہونا عقل و شعور پر نقاب لگانے کی گھات کی جگہ ہے۔ انگوٹھی کے گھر میں چور آگیا ہے۔ چور کون؟ نام کا کندہ ہونا جو خلافِ عقل بات ہے۔

یادگارِ نالہ

نسخۂ عرشی کے تیسرے جزو یادگارِ نالہ میں مختلف ذرائع سے لے کر غالب کا متفرق کلام جمع کیا گیا ہے۔ نادم سیتاپوری کی کتاب "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّے میں کچھ الحاقی کلام بھی شائع ہو گیا ہے۔ میں بغیر کسی بحث میں پڑے مشکوک کلام کو نظر انداز کرتا ہوں۔ یادگارِ نالہ کے اشعار کی ابھی تک شرح نہیں لکھی گئی۔ ان میں بیشتر اشعار صاف ہیں صرف کہیں کہیں کوئی شعر وضاحت طلب ہے۔ چونکہ میری کتاب کا مقصد غالب کے تمام مشکل اشعار کی شرح فراہم کرنا ہے (متداول دیوان کی متعدد شرحیں موجود ہونے کی وجہ سے میں نے تکرار کو تحصیلِ حاصل سمجھا) اس لئے اس حصّے کو بھی اپنے مطالعے میں شامل کر لیتا ہوں۔ یوں اس شرح کا مقصد کلامِ غالب کی تحقیق نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ درجِ ذیل اشعار میں بھی کوئی الحاقی شعر راہ پا گیا ہو۔

قطعات

(۱)

بسکہ فعّالِ مایرید ہے آج — ہر سلح شور انگلستاں کا

فعّالِ مایرید: وہ ذات جو جو کچھ بھی ارادہ کرے اسے عمل میں لانے کی قوت رکھتی ہو۔ ایک آیت میں خدا نے اپنے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ "تمہارا رب فعّالِ مایرید ہے"۔ مندرجہ بالا قطعے میں غالب نے انگریزوں کی آمریت اور ظلم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آج انگلستان کا ہر ہتھیار بند سپاہی بالکل آمر بنا پھرتا ہے۔ جو اس کے جی میں آتا ہے کر بیٹھتا ہے۔ کوئی روکنے والا نہیں۔ سلح شور: ہتھیار بند۔

(۴)

مسلمانوں کے میلوں کا ہوا قُل — پچھے ہے جو گ مایہ اور دیبا
نشاں باقی نہیں ہے سلطنت کا — مگر ہاں نام کو اورنگ زیبا

قُل ہونا: فاتحہ ہونا یعنی ختم ہو جانا۔ جوگ مایہ: قطب صاحب میں ہندوؤں کا ایک مندر۔ پھول والوں کی سیر کے موقع پر پھولوں کا پنکھا یہاں بھی جاتا ہے۔

اورنگ زیبا: کاربنکل پھوڑے کو اورنگ زیبی پھوڑا کہتے ہیں کیونکہ دکن کی مہم میں گولکنڈہ میں اورنگ زیب کے بہت سے لشکریوں کے یہ نکلا تھا۔ شاعر ماتم کرتا ہے۔ کہ زوالِ سلطنت کے ساتھ مسلمانوں کے میلے ختم ہو گئے۔ پھول والوں کی سیر کے موقع پر ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ سلطنت کا نشان باقی نہیں۔ ہاں اورنگ زیبی پھوڑے میں بادشاہ اور سلطنت کا نام باقی ہے۔

(۱۰)

اسے فضائلِ علم و ہنر کی افزائش ہوئی ہے مبدعِ عالم سے اس قدر انعام
کہ بحثِ علم میں، اطفالِ ابجدی اس کے ہزار بار فلاطوں کو دے چکے الزام

مبدع: نئی بات ایجاد کرنے والا۔ اطفالِ ابجدی: ابجد خواں لڑکے۔ حکیم سلیم خاں کی مدح میں لکھتے ہیں کہ انھیں خدا کی طرف سے فضیلتِ علم و ہنر اتنی زیادہ ملی ہے کہ مکتب کے بچے بھی جب ان کے علم کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو افلاطون پر الزام دیتے ہیں کہ سلیم خاں کے مقابلے میں اس کا علم ناقص تھا۔ افلاطون کی پستیِ علم اس قدر مسلّم ہے کہ طفلِ مکتب بھی اس سے واقف ہے۔

(۱۲)

مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک رہا ہے زور سے ابرِ ستارہ بار برس
کہاں ہے ساقیِ مہوش؟ کہاں ہے ابرِ مطیر "بیار" "لا" مے گلنار گوں "بیار" برس

چوتھے مصرع میں ساقی سے تقاضا کیا ہے۔ ایک بار "لا" کہا۔ "لا، لا" سرخ رنگ کی شراب لا"۔ "برس" ابر سے خطاب کیا ہے۔

(۱۴)

رام پور آج ہے وہ بقعۂ معمور کہ ہے مرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم

بقعہ: مکان۔ معمور: آباد، بھرا ہوا۔ رام پور آج ایسے آباد مکان کی طرح ہے جس میں آدم کی نسل کے اشراف آ کر جمع ہو گئے ہیں۔

حبذا باغِ ہمایونِ تقدس آثار کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم

حبذا: کلمۂ تحسین ہے، بہت خوب۔ غزالانِ حرم: کعبے کے نواح کے جنگل میں شکار ممنوع ہے۔ وہاں کے ہرن۔ نواب صاحب کا مبارک، اور مقدس باغ کتنا اچھا ہے جہاں کعبے کے ہرن بھی چرنے کو آتے ہیں۔ ان کے آنے سے باغ کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔

مسلکِ شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس
خضر بھی یاں اگر آ جائے، تو لے ان کے قدم

نواب کلبِ علی خاں شرع کے راستے پر چلتے ہیں اور اس سے کماحقہ واقف ہیں، خضر جو سب کی راہبری کرتا ہے اگر شرع کے راستے میں آئے تو نواب کلبِ علی خاں کے قدموں کو چھو کر انھیں اپنا رہنما تسلیم کرے گا۔

قصائد

(۱)

ملاذِ کشور و لشکر، پناہِ شہر و سپاہ جنابِ عالیِ ایلن برون والا جاہ

ملاذ: جائے پناہ۔ ایلن برون لشکر اور شہر کو پناہ دینے والے ہیں۔

بلند رتبہ وہ حاکم، وہ سرفراز امیر کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرفِ کلاہ

دوسرے مصرع کے معنی ہیں کہ اس کا گوشۂ کلاہ بادشاہوں کے تاج سے خراج لیتا ہے یعنی جس کا مرتبہ بادشاہوں سے زیادہ ہے۔

وہ محضِ رحمت و رافت کہ بہرِ اہلِ جہاں
نیابتِ دمِ عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ

رافت: مہربانی۔ وہ مجسم رحمت و عنایت ہے۔ اس کی نگاہِ کرم لوگوں کیلئے عیسیٰ کی پھونک کی طرح حیات بخش ہے۔

وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جس کی پرسش کی
بنے ہے شعلۂ آتش، انیسِ پرِ کاہ

پرِ کاہ: گھاس کا تنکا۔ وہ بالکل انصاف ہیں۔ ان کے ڈر سے شعلے کی گھاس کے تنکے کو جلانے کی مجال نہیں بلکہ اس کا دوست بنا ہوا ہے۔ گھاس کا تنکا کمزور سے کمزور چیز ہے لیکن اس پر بھی کسی کو ظلم کی مجال نہیں۔

زمیں سے سودۂ گوہر اٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسنِ حشمت کا اس کے جولاں گاہ

سودہ: جو کچھ گھسنے سے حاصل ہو۔ سفوف۔ اس کی شوکت کا گھوڑا جس میدان میں دوڑے گا وہاں سے گرد کی بجائے موتیوں کا سفوف اڑائے گا۔

یہ اس کے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش ق کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہر سر راہ
ہزبر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا کبھی جو ہوتی ہے الجھی ہوئی دُمِ روباہ

شیر اور لومڑی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے لیکن اس کے انصاف سے وہ بھی ایک ہو گئے ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کی ضد ہیں یعنی جنگل اور پہاڑ میں کبھی لومڑی کو اتنی سی

بھی تکلیف پہنچے کہ اس کی دُم کے بال اُلجھے اُکھڑے سے ہو جائیں تو شیر اپنے پنجے سے اُنھیں سنوارے گا یعنی شیر جیسا ظالم لومڑی جیسے کمزور جانور کی مدد کرنے لگا ہے۔

کہے گی خلق اسے دادرِ سپہر شکوہ
کہیں گے لوگ اسے شہرِ ستارہ سپاہ

اس کا مرتبہ اتنا بلند ہوگا کہ لوگ اسے آسمان کی سی شکوہ رکھنے والا حاکم کہیں گے اور لوگ اسے ایسا بادشاہ کہیں گے ستارے جس کی فوج ہیں۔

ملے گی اس کو وہ عقلِ نہفتہ داں کہ اسے
پڑے نہ 'قطعِ خصومت میں' احتیاجِ گواہ

نہفتہ داں: پوشیدہ باتوں کی جاننے والی۔ دو شخصوں میں دشمنی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ بنائے مخاصمت دور ہو جائے اور ان میں پھر سے تعلقات بحال ہو جائیں۔ ایک فریق کچھ کہے گا دوسرا کچھ۔ گواہ لائے جائیں گے تاکہ حقیقت کھُل کر سامنے آئے اور جھگڑے کی جڑ کاٹ دی جائے۔ ممدوح کی عقل پوشیدہ باتوں کو اتنی جاننے والی ہوگی کہ اسے دو جھگڑنے والے فریقوں کی تحقیق میں گواہ کی ضرورت ہی نہیں۔ خود بخود حقیقت سے واقف ہو کر ان کا جھگڑا ختم کر دے گا۔

یہ ترکتاز سے برہم کرے گا کشورِ روس
یہ لے گا، بادشہِ چیں سے چھین تخت و کلاہ

تُرکتاز: یکایک دوڑنا، حملہ کرنا۔ ترکتاز اور روس میں رعایتِ لفظی ہے۔ ممدوح حملہ کر کے روس کے ملک کو برہم کر دے گا اور فتح کرے گا۔ چین کے بادشاہ سے تخت و تاج چھین لے گا۔

(۴)

گرہ سے اور گرہ کی اُمید کیوں نہ پڑے؟
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں، تین چار گرہ

سالگرہ کے دھاگے میں ایک گرہ کے بعد دوسری گرہ کی اُمید کیوں نہ بندھے کیونکہ ہر گرہ کے پیچ میں اور کئی گرہیں پوشیدہ ہیں۔ اس طرح عمر کا رشتہ لامتناہی ہو جائے گا۔

خود آسماں ہے مہاراؤ راجہ پر صدقے
کرے گا سینکڑوں، اس تار پہ نثار، گرہ

گرہ: ہندی جیوتش میں نو تاروں سورج، چاند، منگل، بدھ وغیرہ کو گرہ کہتے ہیں۔ آسمان مہاراجہ کے عمر کے تار پر سینکڑوں تارے نچھاور کرے گا۔ گرہ کے لفظ میں ایہام ہے۔

وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے
رواں ہوتا رہے فی الفور، 'دانہ وار،' گرہ

تار یا تاگے میں گرہ ایک مقام پر جامد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس دانہ زمین پر لڑھکتا ہے۔ راجہ بہادر کے حکم میں یہ تاثیر ہے کہ تار کی گرہ دانے کی طرح چل سکتی ہے۔

اُنہیں کی سالگرہ کیلئے بناتا ہے
ہوا میں بوند کو، ابرِ تگرگ بار، گرہ

تگرگ: اولا۔ اولا برسانے والا بادل ہوا میں بوند کو اولا نہیں بناتا ان کی سالگرہ کے لئے گرہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

سن اے ندیم برس گانٹھ کے یہ تاگے نے — تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ
پئے دعائے بقائے جنابِ فیض مآب — لگے گی اس میں ثوابت کی استوار گرہ
ہزار دانے کی تسبیح چاہتا ہے بنے — بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گرہ

اے ہم نشیں برس گانٹھ کے تاگے نے گرہ کا شیوہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ یہ فیاض راجہ کی بقا کی دعا کیلئے تسبیح ہزار دانہ بننا چاہتا ہے۔ اس میں معمولی گرہیں نہیں لگیں گی بلکہ تاروں کی گرہ لگائی جائیں گی۔ عموماً تسبیح سو دانوں کی ہوتی ہے لیکن یہ ہزار دانوں کی تسبیح بنا چاہتا ہے تاکہ دعا زیادہ موثر ہو۔ اس کے لئے ہزار گرہوں کی ضرورت ہوگی جو ہزار سال میں ممکن ہوں گی۔ ثوابت اور گرہ (ہندی میں بمعنی سیّارہ) میں رعایت ہے اور ثوابت اور استوار کے لفظ میں بھی رعایت ہے۔ سالگرہ کے تاگے کو تسبیحِ سال بھی کہتے ہیں۔

عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اس کو
کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ

جاذبہ: جذب کرنے والی قوت، تاثیر۔ رشتۂ سال گرہ میں ایسی قوتِ جذب ہے کہ اس نے گرہ کو گرفت میں لیا ہوا ہے اور اسے چھوڑتا ہی نہیں۔ گرہ خیر و عافیت سے سال پورا ہونے کی نشانی ہے۔ رشتے کا گرہ سے تعلق نیک شگون ہے۔

کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں؟ جب اس زمانے میں
بچے نہ از پئے بندِ نقابِ یار گرہ

چونکہ ساری گرہیں مہاراجہ کے سال گرہ کے رشتے کیلئے وقف ہو گئی ہیں اس لئے اور کسی کام کے لئے گرہ میسر ہی نہیں۔ محبوب کے نقاب کیلئے گرہ بچی ہی نہیں۔ اس لئے وہ مُنہ کھول کر پھرنے کے لئے مجبور ہے۔

متاعِ عیش کا ہے، قافلہ چلا آتا
کہ جادہ، رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گرہ

سالگرہ کا رشتہ ایک راستے کی طرح ہے اور اس کی گرہ اونٹوں کی قطار کی طرح ہے ان اونٹوں کے قافلے میں عیش کی پونجی چلی آرہی ہے یعنی سال گرہ مہاراجہ کیلئے عیش کے قافلے لائے گی۔

(۳)

مرحبا سالِ فرخی آئیں! عیدِ شوّال و ماہِ فروردیں

عیدِ شوال: عیدالفطر جو یکم شوّال کو ہوتی ہے۔ ماہِ فروردیں: ایرانی شمسی سال کا پہلا مہینہ جو مارچ میں شروع ہوتا ہے۔ یہ مبارک سوال کتنا اچھا ہے کہ ابھی عیدالفطر ہوئی ہے اور اس کے کچھ ہی بعد ماہِ فروردیں جو بہار کا مہینہ ہے شروع ہو رہا ہے۔

شب و روز، افتخارِ لیل و نہار
مہ و سال، اشرفِ شہور و سنیں

شب و روز کے فارسی میں جو معنی ہیں وہی لیل و نہار کے عربی میں ہیں، رات دن یعنی زمانہ۔ مہ و سال کی عربی شہور و سنین ہے۔ شہر: مہینہ جس کی جمع شہور ہے۔ سنہ: سال کی جمع سنین ہے۔ آج کل کے رات دن زمانے کیلئے باعثِ فخر ہیں اور یہ مہینہ اور سال تمام مہینوں اور سالوں کے سلسلے میں بہترین ہیں۔

بزم گہہ میں امیرِ شاہ نشاں
رزم گہہ میں حریفِ شیر کمیں!

بزم میں وہ ایسا امیر ہے جس میں بادشاہی کے آثار ہیں۔ میدانِ جنگ میں وہ غنیم کیلئے ایسا مدِمقابل ہے جو شیروں کی گھات میں رہ کر ان کا شکار کرتا ہے۔

پیشگاہِ حضور، شوکت و جاہ
خیر خواہِ جناب، دولت و دیں

پیش گاہ: مسند یا تختِ شاہی کے آگے کا فرش۔ شوکت و جاہ ان کے سامنے فرش کی طرح بچھی ہوئی ہیں اور دولتِ دنیوی اور دین دونوں ان کی جناب کے خیر خواہ ہیں۔

انجمیں چرخ، گوہر آگیں فرش
نورِ مے۔ ماہ، ساغرِ سیمیں!

نواب کی بزم کا موتیوں سے ٹنکا ہوا فرش تاروں سے بھرے آسمان کی طرح ہے۔ چاندی کا پیالہ چاند کی طرح ہے اور اس میں بھری شراب چاند کا نور ہے۔

راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں
وہ نظرگاہِ اہلِ وہم و خیال یہ ضیابخشِ چشمِ اہلِ یقیں

راجہ اندر کا اکھاڑا آسمان کے اوپر ہے۔ اسے کس نے دیکھا ہے وہ خیالی دنیا میں رہنے والوں کا وہم ہے اور یہ بزم یقین و عقیدہ رکھنے والوں کی آنکھ کو روشنی بخش رہی ہے۔ یعنی اسے یقین کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے۔
ژالہ آسا، بچھے ہیں دُرِ ثمیں!

دُرِ ثمیں: بیش بہا موتی۔ اس محفل میں جتنی دُور تک نظر دیکھ سکتی ہے اولوں کی طرح بڑے بڑے بیش بہا موتی بچھے ہیں۔

اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون،
یاں وہ دیکھا بچشمِ صورت بیں

راجہ اندر کے اکھاڑے میں جو کچھ ظن و قیاس کیا جاتا ہے یہاں وہ آنکھ سے دیکھ لیا۔

سرورِ مہر فر ہوا جو سوار۔
بہ کمالِ تجمّل و تزئیں

سورج کی سی شوکت رکھنے والا سردار کمال شوکت و زیبائی کے ساتھ جو سوار ہوا۔

سب نے جانا کہ ہے پری توسن
اور بالِ پری ہے دامنِ زیں

سب نے جانا کہ گھوڑا پری ہے اور زین کے دونوں پہلو پری کے پر ہیں۔

نقشِ سمِ سمند سے یک سر
بن گیا دشت دامنِ گل چیں

پھول توڑنے والے کے دامن میں پھول بھرے رہتے ہیں۔ حضور کے گھوڑے کے سموں کے نقوش پھول کی طرح ہیں جن سے جنگل کا دامن بھر گیا۔

فوج کی گردِ راہ، مشک افشاں
رہ روں کے مشام، عطر آگیں

آپ کی فوج کے چلنے سے جو گرد اُڑتی ہے وہ مُشک کی سی خوشبو رکھتی ہے جس کی وجہ سے راستے پر چلنے والوں کی قوتِ شامہ (سونگھنے کی قوت) عطر سے بھری رہتی ہے۔

لیکہ بخشی ہے فوج کو عزت
فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں

پیادہ اور فرزیں شطرنج کے مہروں کے نام ہیں۔ فرزیں وزیر کو کہتے ہیں پیادہ کم رتبہ اور فرزیں عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ نواب نے فوج کو یہ عزت بخشی ہے کہ اس کا ہر پیادہ فرزیں کا رتبہ رکھتا ہے۔

چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
ران پر داغِ تازہ دے کے وہیں
اور داغ آپ کی غلامی کا
خاص بہرام کا ہے زیبِ سُریں

بہرام گور شاہِ ایران کو گورخر کے شکار کا شوق تھا۔ یہ قاعدہ ہے کہ غلاموں کے کولہے پر گرم لوہے سے داغ کر دیتے ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ غلام ہے۔ بہرام گورخر کو پکڑ کر اُس کی ران پر داغ دے کر چھوڑ دیتا تھا تاکہ معلوم رہے کہ یہ گورخر اس کا صید کردہ ہے لیکن خود بہرام کے کولھے پر آپ کی غلامی کا داغ موجود تھا۔

پیری و نیستی، خدا کی پناہ
دستِ خالی و خاطرِ غم گیں

نیستی: نحوست، افلاس۔ خدا کی پناہ کہ بڑھاپے میں مجھے نحوست نے گھیر لیا ہے۔ ہاتھ روپے پیسے سے خالی ہے اور دل غم سے بھرا ہوا ہے۔ غم گیں میں گیں مخفف ہے آگیں کا جس کے معنی ہیں بھرا ہوا۔ خالی اور بھرے کا تضاد دکھایا ہے۔

(۴)

حق گوے و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نوابِ مستطاب، امیرِ شہِ احتشام

جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم
ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

مستطاب: بزرگ، پاک۔ میکلوڈ ایسے امیر ہیں جن میں بادشاہوں کی شوکت ہے جمشید کا رتبہ رکھتے ہیں اور لڑائی کے وقت زمین کے شجاعوں کا تو کیا ذکر وہ مریخ سے بھی تلوار چھین لیتے ہیں۔ ترکِ فلک سے مراد مریخ ہے۔

چاہا تھا میں نے تم کو مہِ چاردہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیالِ خام
دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عزّ و جاہ رہے گا علی الدّوام

تمہیں چودھویں کا چاند کہنا ناقص خیال ہے کیونکہ پورا چاند تقریباً دو رات رہتا ہے لیکن آپ کی عزّت و شان ہمیشہ رہے گی۔

سچ ہے تم آفتاب ہو، جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلکِ آبگینہ فام

آبگینہ: کانچ، بلّور۔ فام: رنگ۔ تم سورج ہو جس کی روشنی سے شیشے کے رنگ کا آسمان دریائے نور بن گیا ہے۔

جو واں نہ کہہ سکا، وہ لکھا ہے حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

فائز المرام: مراد کو پہنچنے والا۔ "ہوں" یہاں مضارع کا صیغہ ہے۔ آپ کی رخصت کے وقت مجھے جو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا وہ لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ آپ میرے ساتھ انصاف کریں تاکہ میری مُراد پوری ہو۔

مرثیہ

(۱)

اے زمزمۂ قُم، لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو

قُم: اُٹھ جا۔ حضرت عیسیٰ قم کہہ کر مردوں کو جلاتے تھے۔ غالب کہتے ہیں کہ شہدائے کربلا کے غم میں لبِ عیسیٰ پر قم کی آواز کو نالۂ ماتم میں بدل جانا چاہیئے۔

یہ خرگہہ نُہ پایہ جو مدّت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رُتبے میں سوا ہے

اس سے پہلا مصرعہ ہے ؎ گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو

خرگاہ بڑے خیمے کو کہتے ہیں۔ خرگہہِ نُہ پایہ سے مراد آسمان ہے۔ نُہ پایہ کہنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ عرش و کُرسی سمیت نو آسمان ہوتے ہیں جیسا کہ ظہیر فاریابی نے کہا تھا۔

نُہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیرِ پا
تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں دہد

یا پھر ہندی جیوتش کے مطابق ان نو ستاروں کو کہتے ہیں۔ سورج، چاند، منگل، بدھ، برہسپت، شُکر، سنیچر، راہو، کیتو۔ غالب نے غالباً پہلے معنی میں لیا ہے حالانکہ اس معنی میں نُہ منزلہ کہا جا سکتا تھا نُہ پایہ نہیں۔ بپا ہونا: برپا ہونا یعنی استادہ ہونا۔ یہ نو پایوں والا خیمہ جو مدّت سے لگا ہے شبیر کے خیمے سے تو افضل نہیں۔ جب خیمۂ شبیر تباہ ہو گیا تو خیمۂ آسمان جل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

کیسا فلک اور مہرِ جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دلِ بے تاب کسی سوختہ جاں کا

کیسا آسمان اور کہاں کا دُنیا کو منوّر کرنے والا سورج۔ یہ سورج نہیں کسی غم سے جلے ہوئے کا بے چین دل ہوگا۔

اب صاعقہ و مہر میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں، اس رو سے کہو برق نہیں ہے

صاعقہ: گرنے والی بجلی۔ دُنیا میں سب شہدائے کربلا کے غم میں دل سوختہ ہیں۔ گرنے والی بجلی یا سورج دونوں کا دل بے قرار ہے دونوں سوختہ جاں ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے صرف اس اعتبار سے فرق کر سکتے ہو کہ سورج چونکہ گرتا نہیں اس لئے یہ صاعقہ نہیں اُس سے مختلف چیز ہے۔ ورنہ دلی کیفیت کے اعتبار سے دونوں ایک سے ہیں۔

(۲)

کفیلِ بخششِ اُمّت ہے بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو

کفیل: ذمّہ دار۔ شافع: شفاعت کرنے والا یعنی کسی کیلئے بھلائی کا کلمہ کہہ کر سفارش

کرنے والا۔ روزِ جزا: صلہ ملنے کا دن یعنی قیامت۔ حضرت امام حسین اُمّت کی بخشش کے ضامن ہیں کیوں نہ اُنھیں قیامت کے روز کا شفاعت کرنے والا کہوں۔

وہ جس کے ماتمیوں پہ ہے سلسبیل سبیل
شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اس کو

سلسبیل: جنّت کی نہر۔ سبیل: وہ پانی یا شربت جو راہِ خدا میں پیاسوں کو پلائیں۔ امام حسین کے ماتم کرنے والوں کیلئے نہرِ جنّت کا پانی میسّر ہوگا۔ ستم ہے کہ خود امام کو کربلا کے میدان میں پیاسا شہید ہونا پڑا۔

عدو کے سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
کہ جنّ و انس و ملک سب بجا کہیں اس کو

سمع: رضامندی کے ساتھ سننا۔ افسوس حضرت کی جس بات کو سن کر جن اور انسان اور فرشتے غرضیکہ سب مخلوق بجا کہیں دشمن اس بات کو سُن کر راضی نہ ہو گویا سنتے ہی سے انکار کر دے

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند
بہ قدرِ فہم ہے گر کیمیا کہیں اس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرّۂ خاک
کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اس کو

جس راستے سے امام حسین گزرے اس کی گرد کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر کوئی اسے کیمیا کہے تو یہ سمجھ کر معاف کر دیا جائے گا کہ اپنی فہم کے مطابق ہی سوچ سکا۔ ان کی خاکِ راہ کا ہر ذرّہ کثرتِ نور کے سبب نظر اور نظارے کو جلانے والا ہے۔ اسے موت کی تلوار کا جوہر کہتے ہیں۔ فولاد کو گھسا جائے تو جو نقطے اور خطوط دکھائی دیتے ہیں اسے جوہر کہتے ہیں پہلے شعر میں خاکِ راہ کی جمالی کیفیت دکھائی ہے اور دوسرے میں جلالی۔

زمامِ ناقہ، کف اس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں
پس از حسینِ علی پیشوا کہیں اس کو

بظاہر یہ شعر امام زین العابدین کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد کے دو اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اونٹ کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے جسے یقین کے ساتھ حسین ابنِ علی کے بعد پیشوا کہا جا سکتا ہے۔ یہ کیفیت اس وقت کی ہے جب سانحۂ کربلا کے بعد

زین العابدین اور دوسرے اہل بیت کو اسیر کر کے لے گئے تھے۔

یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علی سے آکے لڑے اور خطا کہیں اس کو

اجتہاد : جو مسائل قرآن میں واضح نہیں ان کو قرآن و حدیث و اجماع پر قیاس کر کے عقل کے مطابق حل طے کرنا۔ اس شعر میں شیعی نقطۂ نظر سے دشمنِ دیں سے مراد حضرت امیر معاویہ ہیں۔ جنگِ جمل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت معاویہ نے حضرت علی کے خلاف کی تھی۔ اس کا جواز اجتہاد میں تھا۔ غالب اس اجتہاد پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ "خطا کہیں اس کو" بظاہر حضرت علی کے لئے ہے لیکن میرا خیال ہے کہ "اجتہاد" کیلئے ہے۔ اجتہاد میں خطا بھی ہو جاتی ہے کیونکہ انسان سے بھول چوک ہوتی ہے۔ حضرت معاویہ نے اجتہاد کے نام پر اعلانِ جنگ کیا۔ اب ان کی صفائی میں یہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ جنگ ناروا تھی تو خطائے اجتہاد ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ اتنی بڑی بات کو محض خطا کہہ کر رفع دفع کیا جا رہا ہے۔ (واللہ اعلم)

سہرا

(۱)

تارِ ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گراں بارئ گوہر سہرا؟

رگِ ابر : وہ خط جو بادل میں نمایاں ہو۔ سہرے کا تار، ریشم کا نہیں یہ بہار کے ابر نیساں کی رگ ہے جو بہت سے موتی برسائے گا۔ کیا سہرا اتنے موتیوں کے بوجھ کی تاب لا سکے گا۔

(۲)

چرخ تک دھوم ہے، کس دھوم سے آیا سہرا
چاند کا دائرہ لے، زہرہ نے گایا سہرا

دائرہ : ایک باجا جسے ہاتھ کی ضرب سے بجایا جاتا ہے۔ دوسرے مصرع میں سہرا سے مراد سہرے کی نظم ہے نوشہ کا سہرا اتنا شاندار ہے کہ آسمان تک اس کی دھوم مچ گئی چنانچہ مطربِ فلک زہرہ نے چاند کی ڈفلی ہاتھ میں لے کر اسے بجا بجا کر سہرے سے متعلق نظم گائی۔

(۳)

ان کو لڑیاں نہ کہو، بحر کی موجیں سمجھو
ہے تو کشتی میں ولے بحرِ رواں ہے سہرا

کشتی : بڑی طشت۔ اس لفظ پر ایہام ہے۔ سہرے کی لڑیاں سمندر کی لہریں ہیں اور سہرا بحرِ رواں ہے۔ عموماً کشتی (ناؤ) سمندر میں ہوتی ہے۔ یہاں سمندر کشتی (طشت) میں ہے۔

غزلیات

(الف)

(۱)

جگر سے ٹوٹے ہوئے ہو گی ہے سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

نسخۂ عرشی میں اس شعر کا متن عمدۂ منتخبہ کے مطابق دیا ہے۔ نودریافت مخطوطے سے اس کے پہلے مصرع کا صحیح متن دریافت ہوا۔ یہ صحیح متن اور اس کا مطلب آگے کے اوراق میں نودریافت اشعار کی ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(ر)

(۱۱)

نیازِ عشق، خرمن سوزِ اسبابِ ہوس بہتر
جو ہو جائے نثارِ برق مشتِ خار و خس بہتر

نیازِ عشق کا خرمن سوزِ اسبابِ ہوس ہونا بہتر ہے۔ دنیوی ساز و سامان ہوس کا اسباب ہے یہ عشق میں جل جائے تو اچھا ہے۔ اسبابِ ہوس تنکوں کی طرح ہیں۔ اگر یہ بجلی پر نثار ہو جائیں تو خوب ہے یخس کم جہاں پاک۔

(ط)

(۱۴)

یاد جو آیا جو وہ کہنا کہ "نہیں واہ غلط"
کی تصوّر نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

فرض کیجئے کہ ہم نے کبھی محبوب سے کہا ہو کہ "خدا نے حسینوں کو حسن اس لئے دیا ہے کہ وہ اہلِ دل کو اس سے گل چینی کرنے دیں۔" جواب میں محبوب کہے گا "نہیں، واہ، غلط" کوئی اس قسم کا مکالمہ یاد آیا تو تصوّر ہوس کے جنگل میں گمراہ ہو گیا یعنی ہمیں طرح طرح کی خواہشوں نے آ دبوچا جو ایک طرح کی گمراہی ہے کیونکہ وہ مقصود تک نہیں لے جاسکتی۔ راہ غلط کرنا یعنی گمراہ ہونا، غلط راستے پر چل پڑنا۔

(ک)

(۱۵)

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دو سر، تیغ ہے ذوالفقار ایک

ذوالفقار: فقرہ ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ فقرہ کی جمع فقار۔ ذوالفقار حضرت علی کی تلوار کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اونچی نیچی تھی چنانچہ وہ ایک کنارے پر کٹ پھٹ کر دو سر معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود ایک ہی تلوار تھی یہ غزل احمد بیگ خاں طپاں دہلوی اور سید ابوالقاسم خاں کی توصیف میں ہے۔ ان دونوں دوستوں کو ایک ظاہر کیا ہے۔

نقدِ سخن کے واسطے، ایک عیارِ آگہی
شعر کے فن کے واسطے، مایۂ اعتبار ایک

عیارِ آگہی: واقفیت کی کسوٹی۔ مایۂ اعتبار: ایسی دولت جس پر اعتبار کیا جاسکے ان دوستوں میں سے ایک شاعری کی پرکھ کیلئے پہچاننے والی کسوٹی ہے۔ اور دوسرا شاعری کی دولت سے بہرہ ور ہے۔

گلکدہ تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک بو
ریختے کے قماش کو، پود ہے ایک، تار ایک

قماش: ریشمی کپڑا۔ پود: بانا۔ تار: تانا۔ گلکدۂ تلاش سے مراد حقیقت کی جستجو سے

جستجو سے حقیقت کو اگر باغ مان لیا جائے تو ایک اس کا رنگ ہے اور دوسرا بو۔ اُردو ادب کو ریشمی کپڑا قرار دیا جائے تو ایک اس کا تانا ہے دوسرا بانا یعنی کسی کو حقیقت کی تحقیق کرنی ہو تو ان حضرات سے سب کچھ معلوم ہو سکتا ہے یا یہ خود حقیقت کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور دونوں اُردو ادب بالخصوص شاعری کی زینت بڑھا رہے ہیں۔

مملکتِ کمال میں، ایک امیر نامور
عرصۂ قیل و قال میں، خسروِ نامدار ایک

قیل وقال: بات چیت، مباحثہ۔ کمال کے ملک کا ایک مشہور سردار ہے یعنی بڑا صاحب کمال ہے۔ بات چیت کے میدان میں دوسرا مشہور بادشاہ ہے یعنی بڑا فصیح البیان ہے۔

گلشنِ اتفاق میں، ایک بہارِ بے خزاں
مے کدۂ وفاق میں، بادۂ بے خمار ایک

اتفاق اور وفاق دونوں کے معنی موافقت و میل جول کے ہیں۔ اتفاق کے باغ کی بہار اور موافقت کے میکدے کی شراب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی دونوں محبت و مروت و دوستی میں بڑے ثابت قدم ہیں۔

زندۂ شوقِ شعر کو، ایک چراغ انجمن
کشتۂ ذوقِ شعر کو، شمع سرِ مزار ایک

کشتۂ ذوق کی رعایت سے زندۂ شوق نے آئے ہیں۔ جو شخص صرف شاعری کے شوق میں زندہ ہے اس کیلئے قاسم و طپاں میں سے ایک بزمِ شعر کا چراغ ہے اور جو شخص ذوقِ شعر کا شہید ہے اس کے لئے قاسم و طپاں میں کا دوسرا شخص مزار کی شمع ہے یعنی دونوں حضرات شاعری کے شوقینوں کو روشنی عطا کرتے ہیں۔

دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر فدا
ایک محبِ چار یار، عاشقِ ہشت و چار ایک

چار یار: چار خلفا یعنی حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ ہشت و چار یعنی بارہ سے مراد حضرات علی، حسن، حسین وغیرہ بارہ امام۔ محبِ چار یار سے مراد سنی اور عاشقِ ہشت و چار سے مراد شیعہ ہے۔ ظاہرا طپاں سنی اور قاسم شیعہ ہیں۔

جانِ وفا پرست کو، ایک شمیم نو بہار
فرقِ ستیزہ مست کو، ابرِ تگرگ بار ایک

فرقِ ستیزہ مست: لڑائی کے نشے سے مست سر۔ تگرگ بار: اولے برسانے والا۔ وفادار شخص کو ان میں سے ایک اوّلِ بہار کی ہوا کی طرح تازگی دیتا ہے۔ لڑائی کرنے والے سر کے لئے دوسرا اولے برسانے والا بادل ہے۔ یعنی دوستوں کو فائدہ پہنچانے والے اور دشمن کو سزا دینے والے ہیں۔

(ن)

(۱۸)

محفلِ شمع عذاراں میں جو آجاتا ہوں
شمع ساں میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں

شمع عذاراں: شمع کے سے گال رکھنے والے یعنی روشن چہرے والے حسین۔ میں حسینوں کی محفل میں جاتا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے جیسے شمع ہوا کی لپیٹ میں آجانے اور بجھ جانے کو ہو یعنی حسینوں کی محفل میں موت میرے سر پر کھیلنے لگتی ہے۔ سوال ہوگا کہ صبا کا اثر حسینوں پر کیوں نہیں ہوتا۔ جواب ہے کہ وہ شمع نہیں شمع جیسے گال رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گالوں کی روشنی ہوا سے نہیں بجھ سکتی۔ صبا سے مُراد حسینوں کا معاندانہ رویّہ، جفا و ستم ہے۔

ہووے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام
جس گزر گاہ میں، میں آبلہ پا جاتا ہوں

میرے پاؤں میں آبلے ہیں۔ میں جس راستے سے گزرتا ہوں اس پر پھوٹے ہوئے آبلوں سے بوندیں ٹپکتی ہیں اور یہ قطرات کی لائن موتیوں کی لڑی اور راستہ لڑی کا دھاگا بن جاتا ہے۔

سرگراں مجھ سے سبک رو کے، نہ رہنے سے رہو
کہ بہ یک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

پہلے مصرع میں تعقید ہے۔ نثر ہوگی مجھ سے سبک رو کے رہنے سے سرگراں نہ رہو۔ سبک رو: تیز رفتار۔ مجھ جیسے گرم عناں کے اپنے پاس موجود رہنے سے ناراض و آزردہ کیوں ہوتے ہو۔ ہونٹ سے ذرا سا اشارہ کر دو اور میں اتنی تیزی سے جاؤں گا جیسے ہونٹ سے نکل کر آواز جاتی ہے۔ آواز کی رفتار چھ سو سات سو میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

(۱۹)

نہیں کرتے کا ، میں تقریر ادب سے باہر
میں بھی ہوں محرمِ اسرار، کہوں یا نہ کہوں

میں تمام رازوں سے واقف ہوں۔ یہ جانتا ہوں کہ کون سی بات کہنے کی ہے اور کون سی نہیں کہنے کی۔ اگر مجھے بولنے کا موقع ملے تو آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی بات آپ کے خلاف، آپ کی بے ادبی کی نہ کہوں گا۔ کہیئے اس یقین دہانی کے بعد بولنے کی اجازت ہے کہ نہیں ہے

(۲۵)

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشتِ غم میں، آہوئے صیاد دیدہ ہوں

جنگل میں کوئی ہرن صیاد کو دیکھ لے اور اس کے دام میں نہ آئے تو بھی اسے ہر وقت دھڑکا لگا رہے گا کہ گرفتار نہ ہو جاؤں۔ وہ بھول کے بھی آرام نہیں کر سکتا۔ غم کے جنگل میں میری بھی وہی کیفیت ہے۔

ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو
گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

چکیدہ: ٹپکا ہوا۔ جبر و اختیار دو نظریے ہیں پہلے کے مطابق آدمی ہر فعل میں مجبور ہے قدرت جو کراتی ہے وہ کرتا ہے۔ دوسرے کے مطابق اسے اختیار ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ حقیقت کچھ بھی ہو میں دردمند ہوں۔ کبھی کھینچا ہوا نالہ ہوں اور کبھی ٹپکا ہوا آنسو۔ نالہ کھینچنا اختیار سے متعلق ہے کیونکہ بآواز بلند رونے نہ رونے پر انسان کو قدرت ہے۔ آنسو ٹپکنا جبر سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ آنسو اضطراری طور پر آتے ہیں۔ اپنی مرضی کا نتیجہ نہیں ہوتے۔

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

"جانِ شیریں" عام طور سے کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے ہونٹوں پر جان آگئی تو بھی میرے منہ کا ذائقہ میٹھا نہ ہوا میں یہاں تک ہجر کے غم کی تلخی چکھے ہوئے ہوں۔ جان ہونٹوں پر آنا قریب المرگ ہونے کے معنی میں ہے۔ غالب نے شوخی سے منہ کی چینی کر کے مٹھاس کی تلاش کی ہے۔

نے سبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے واسطہ
میں معرضِ مثال میں، دستِ بریدہ ہوں

معرض: ظاہر ہونے کی جگہ، موقع و محل۔ مجھے نہ تسبیح سے تعلق ہے نہ ساغر سے یعنی نہ زاہد ہوں نہ رند مجھے کٹے ہوئے ہاتھ سے مثال دی جاسکتی ہے یعنی ایسا ہاتھ جو کسی کام کے اہل ہی نہ ہو۔

ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں، نے دامِ چیدہ ہوں

لاگ کے معنی لگاؤ اور عداوت دونوں کے ہیں۔ دانۂ فتادہ: گرا ہوا دانہ۔ دامِ چیدہ: پھیلا ہوا جال۔ دانہ و دام کسی کو پھنسانے کیلئے ہوتے ہیں۔ میں خاکسار ہوں لیکن مجھے کسی سے شکایت اور عداوت نہیں۔ دانہ اور دام بھی خاک پر پھیلے ہوتے ہیں لیکن وہ دوسروں سے کینہ رکھتے ہیں۔ اس شعر میں خاکسار سے مراد خاک نشیں یعنی مفلس ہے۔ بعض اوقات مفلسوں کو خوشحال لوگوں سے حسد ہوتی ہے۔

جو چاہیئے، نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسفِ بہ قیمتِ اوّل خریدہ ہوں

قیمتِ اوّلِ یوسف یا بازارِ اوّلِ یوسف ایک محاورہ ہے۔ حضرت یوسف کو کنوئیں سے نکال کر ان کے بھائیوں نے کسی مصری سوداگر کے ہاتھ کھوٹے درہموں کے عوض بیچ دیا۔ مختلف روایتوں کے مطابق یہ درہم ۲۰۔۱۸ یا ۱۷ تھے۔ دوسری بار یوسف مصر میں زلیخا کے ہاتھ بکے۔ قیمتِ اوّلِ یوسف سے مراد نہایت کم قیمت ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ میں یوسف کی طرح بیش بہا ہوں لیکن مجھے بہت کم قیمت پر بیچ دیا گیا یعنی میرے مرتبے کے مطابق میری قدر نہیں ہوئی۔

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں

کوئی عمدہ بات ہو لیکن کسی نے سنی ہی نہ ہو تو اس کی قدر کون کرے گا۔ میں بھی ایسے ناشنیدہ کلام کی طرح ہوں۔ کسی کے دل میں میری جگہ نہیں یعنی مجھ سے کسی کو الفت نہیں۔

اہلِ ورع کے حلقے میں، ہرچند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے زمرے میں، میں برگزیدہ ہوں

ورع: پرہیزگاری۔ برگزیدہ: منتخب۔ زاہدوں کو برگزیدہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میں زاہدوں کے دائرے میں ذلیل ہوں تو کیا ہوا گنہگاروں کے گروہ میں تو منتخب و ممتاز ہوں۔ نیکوں میں سرداری نہ ملی تو بروں میں سہی۔

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

کسی کو پاگل کتے نے کاٹ لیا ہو تو کچھ دنوں کے بعد وہ دیوانہ ہو جاتا ہے اور پانی سے ڈرنے لگتا ہے۔ میں آدمی کا ستایا ہوا ہوں اس لئے آئینے تک سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ اس کے اندر ایک آدمی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ آدمی سے یہاں تک اندیشہ ہے کہ خود اپنے عکس سے ہیبت ہوتی ہے۔ آئینے میں آب (چمک) ہوتی ہے اس لئے وہ آب یا پانی سے مشابہ ہوتا ہے۔ مردم گزیدہ: آدمی کا کاٹا ہوا۔

(۲۷)

نسخۂ سوزشِ دل، درخورِ عناب نہیں
سرِ سودا زدہ، آتش کدۂ تاب نہیں

عناب: انگور اور بیر کو کہتے ہیں۔ نسخوں میں سوکھے ہوئے بیر شامل کئے جاتے ہیں مثلاً جوشاندہ میں عناب، گل بنفشہ وغیرہ۔ آتش کدۂ تاب: جلتا ہوا آتش کدہ۔ دل کی سوزش کا نسخہ یعنی ترکیبِ علاج عناب اور اس کی مماثل ادویات کے لائق نہیں یعنی عناب سے میل نہیں کھاتا۔ طبیبِ جسمانی بیماری کا نسخے سے علاج کر سکتا ہے۔ نفسیاتی سوزش عناب وغیرہ سے شفایاب نہیں ہو سکتی۔ جس سر میں عشق یا کسی اور قسم کا سودا ہو وہ آتش کدہ سے مختلف ہے۔ آتش کدے میں زیادہ حدت ہو تو پانی ڈال کر اعتدال پر لایا جاسکتا ہے لیکن سر کا سودا علاج سے بالاتر ہے۔

ہمت و حوصلۂ شورشِ شبنم معلوم
قلزمِ اشک، نمِ دیدۂ خوناب نہیں

شورش: ہنگامہ۔ خوناب: خون اور آب ملا ہوا یعنی خون سے ملے ہوئے آنسو۔ خوناب دوسرا لفظ ہے جس کے معنی خالص خون کے ہیں۔ شبنم کتنا ہی شور و ہنگامہ کرے اس کی ہمت اور حوصلہ ہمیں معلوم ہے یعنی کچھ نہیں ہے۔ شبنم نہ آنسوؤں کا سمندر ہے نہ خونیں اشک سے بھری آنکھ کا نم ہے ان دونوں میں بڑا حوصلہ ہوتا ہے۔ شبنم کا کیا، چند لمحوں میں فنا ہو جاتی ہے۔

پرسشِ عشق سے ہے ان کو فراغت مقصود
ہدیۂ پارۂ دل، نازشِ جلباب نہیں

عاشق معشوق سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔ اس کا حال پوچھتا رہے گا۔ محبوب اس ہر گھڑی کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتا ہے۔ عاشق نے محبوب کو دل کے ٹکڑے پیش کیے۔ محبوب بلکہ محبوبہ نے انہیں چادر کے کونے میں باندھ رکھا جیسے روپیہ انگوٹھی وغیرہ کو رکھ لیں۔ ظاہر ہے کہ میرے دل کے ٹکڑے چادر کیلئے باعث فخر نہیں لیکن محبوب نے صرف اس غرض سے انھیں چادر میں رکھ لیا ہے تاکہ عاشق پر یہ ظاہر ہو کہ اسے (محبوب کو) عاشق کا خیال ہے اور لفظوں میں حالِ دل پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ جلباب: عورتوں کی اوڑھنی یا دوپٹہ۔

ہمّت و شوقِ طلب گاریِ مقصود کہاں
برق، خرمن زن ہے تابیِ سیماب نہیں

خرمن زن: خرمن اکٹھا کرنے والی۔ مقصود سے مراد محبوب ہے۔ پہلے مصرع میں ایک دعویٰ ہے جسے تمثیلی رنگ میں دوسرے مصرع سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمیں اپنے مقصود (یعنی محبوب) کی طلب کی ہمت نہیں کیونکہ وہ ہماری بساط سے بالاتر ہے ہمیں اس مقصود کی طلب کا شوق بھی نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ملنے والا نہیں۔ پارہ بے تاب رہتا ہے منتشر ہوتا ہے ٹوٹتا پھوٹتا ہے لیکن برق اس کی طرف توجہ نہیں کرتی اس کے خرمن کو اکٹھا نہیں کرتی حالانکہ سیماب میں برق کی طرح تڑپ ہے۔ ہم جو محبوب کیلئے شوقِ بے پایاں رکھتے ہیں وہ بھی سیماب کی طرح ہے اور محبوب برق کی طرح لیکن وہ کب ہمارے شوقِ مضطرب کو آسودہ کرنا چاہے گا۔

گلشنِ ہستیِ عالم ہے دبستانِ نشاط
نقشِ گل، رونقِ بے مشقیِ طلاب نہیں

: طلاب یعنی طالبِ علم کی جمع۔ دنیا کا باغ نشاط کا مدرسہ ہے یعنی اس باغ سے نشاط حاصل ہوتی ہے۔ پھول کے نقش کو دیکھیے کتنا نشاط میں نومشق بچے بھدے بھونڈے نقش کھینچتے ہیں جو کسی طرح دل کو خوش نقشِ گل کی رونق، اطفالِ مکتب کے اناڑی پن نے تخلیق نہیں کی۔ یہ کسی ماہر کا لئے فرح بخش ہے۔

(و)

(۲۸)

دیکھتا ہوں اسے، تھی جس کی تمنا مجھ کو
آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

زلیخا نے کنوارے پن میں تین بار خواب میں حضرت یوسف کو دیکھا تھا اور دل دے بیٹھی تھی۔ کہتے ہیں میں آنکھوں سے اپنے محبوب کو دیکھ رہا ہوں گویا بیداری میں خوابِ زلیخا نظر آرہا ہے۔

(۲۹)

شمشیرِ صافِ یار، جو زہراب دادہ ہو
وہ خطِ سبز ہے کہ بہ رخسارِ سادہ ہو

شاعروں کی روایت میں زہر سبز ہوتا ہے۔ خط کو بھی سبز کہتے ہیں کیونکہ ایران میں کالا اور نیلا رنگ منحوس ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو سبز کہتے ہیں۔ سادہ گالوں پر نیا نیا خط آئے تو اردو کے شاعر کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اسے تلوار بھی خوشنما معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ شہادت کا شائق ہے اور اگر تلوار زہر کے پانی میں بجھائی ہوئی ہو تو عاشق کیلئے سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل کھل جاتا ہے۔ تلوار پر زہر اتنا ہی خوشنما ہے جتنا رخسار پر خط۔

(ہ)

(۳۷)

خراجِ بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج
کہ بن گیا ہے خمِ جعدِ پرشکن، تکیہ

جعد: زلف۔ وصل کی شب میں محبوب کی زلفوں کا خم میرا تکیہ بن گیا ہے یعنی میں اس کے ساتھ اس طرح بغل گیر ہو کر لیٹا ہوں کہ اس کی زلفیں میرے سر کے نیچے آگئی ہیں۔ اب دنیا میں مجھ سے بڑا کون ہے۔ مجھے ساری دنیا کی دولت مل گئی۔ میں بادشاہوں سے بڑا شہنشاہ ہوں۔ چین کا بادشاہ بہت بڑا سمجھا جاتا ہے لیکن آج تو میں اس سے بھی بڑا ہوں کیوں نہ اس سے خراج طلب کروں۔

دوسرے مصرع کے معنی یوں بھی بیان کیے جا سکتے ہیں کہ میرا تکیہ محبوب کی زلفوں کا خم بن گیا ہے یعنی محبوب کی زلفیں میرے تکیے کے اطراف میں منتشر ہیں۔ اس صورت میں بھی

معنی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

بنا ہے تختۂ گل ہائے یاسمین بستر
ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن، تکیہ

یاسمین: چمیلی۔ نسرین عربی میں اور نسترن فارسی میں سیوتی کے پھول کو کہتے ہیں وصل کی رات محبوب کے ساتھ لیٹنے سے بستر چمیلی کے پھولوں کی کیاری کی طرح اور تکیہ سیوتی کے پھولوں کے گلدستے کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔

فروغِ حسن سے روشن ہے، خواب گاہ تمام
جو رخت خواب ہے پرویں، تو ہے پرن تکیہ

پرویں اور پرن دونوں سے مُراد عقدِ ثریا ہے چند تاروں کا جھمکا جو پاس پاس واقع ہیں۔ شبِ وصل میں حسنِ محبوب کے نور سے خواب گاہ روشن ہے۔ سونے کا لباس اور تکیہ سب عقدِ ثریا کی طرح چمک رہے ہیں۔

ہوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب
اگرچہ زانوئے نل پر رکھے دمن تکیہ

راجہ نل اور دمن جوئے میں اپنی سلطنت اور سب مال و اسباب کھو کر جنگل میں پریشان گھومتے تھے۔ پہننے کے زیادہ تر کپڑے بھی جاتے رہے تھے۔ نل نے دمن سے اصرار کیا کہ وہ اپنے والد کے گھر چلی جائے لیکن وہ تیار نہ ہوئی۔ ایک روز دمن نل کے زانو پر سر رکھ کر سو گئی۔ کچھ دیر بعد نل نے اسے آہستہ سے ہٹایا۔ اس کی چادر کو پھاڑ کر دو حصے کئے ایک دمن کے پہننے کو چھوڑا۔ دوسرا اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور غائب ہو گیا تاکہ دمیتی باپ کے پاس جانے کو مجبور ہو جائے۔ اس شعر میں زانو پر تکیہ دھرنے سے مراد زانو کا سہارا لینا ہے۔ مرد کی بے وفائی دکھائی ہے۔

بہ ضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہکن تکیہ

فرہاد اپنے تیشہ کی کارگزاری پر بھروسہ رکھتا تھا کہ اس کے طفیل نہر کاٹ کر مقصود میں کامیاب ہوگا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی جس کے خمیازے کے طور پر اسے جان دینی پڑی جس تیشے پر اعتماد تھا اسی سے جان دی۔

شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا
کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

فراق میں تکلیف کی وجہ سے بستر سانپ کی طرح کاٹتا ہے اور تکیہ سانپ کے من کی طرح ہیبت پیدا کرتا ہے۔

روا رکھو نہ رکھو، تھا جو لفظ "تکیہ کلام"
اب اُس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "سخن تکیہ"

یوسف علی خاں عزیز لکھنوی "تکیۂ کلام" کی جگہ "سخن تکیہ" کہتے تھے۔ غالب اس ترکیب کو سن کر بہت محظوظ ہوئے اور اس پر یہ غزل سپردِ قلم کر دی۔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ تم اس استعمال کو جائز قرار دو لیکن اب "تکیہ کلام" کی جگہ "سخن تکیہ" بھی کہتے ہیں۔

ہم اور تم "فلک پیر" جس کو کہتے ہیں
فقیر غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

فقیروں اور درویشوں کے مسکن کو ان کا "تکیہ" کہا جاتا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ ہم تم جسے بوڑھا آسمان کہتے ہیں دراصل یہ فقیر غالب کا پُرانا تکیہ یعنی اقامت گاہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ غالب کو دُنیا چھوڑ کر اپنے تکیے میں چلے جانا چاہیئے۔

(ی)

(۳۶)

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

زردی کی وجہ سے زعفران سے مشابہت ہے۔ یہ مشہور ہے کہ زعفران کے کھیت کو دیکھیے تو مسلسل ہنسی آتی ہے۔ چونکہ لوگ مجھے دیکھ کر استہزا کے طور پر ہنستے ہیں اس لئے میرے لئے میرا رنگ زعفران کا باغ ہے۔

(۳۷)

دیکھ وہ برقِ تبسم، بس کہ دل بیتاب ہے
دیدۂ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے

محبوب کے تبسم کو دیکھ کر میرا دل بہت بے تاب ہے۔ میری رونے والی آنکھوں سے

اتنے آنسو گر رہے ہیں کہ فوارہ جیسا معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ دل بے تاب ہے اس لئے آنسو سیماب کے فوارے سے مشابہ ہیں۔ سیماب میں تڑپ ہوتی ہے۔

کھول کر دروازہ مئے خانہ بولا مئے فروش
اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

فتح الباب: لفظی معنی دروازہ کھولنا مجازی معنی کامرانی۔ اس کے علاوہ اگر دو تارے ایک دوسرے کے سامنے کے خانوں میں ہوں اور ایک دوسرے کو دیکھیں مثلاً عطارد جوزا میں آکر قوس میں مشتری کو دیکھے تو جب بھی ایسا ہوگا بارش آئے گی اور اسے فتحِ باب کہا جاتا ہے اس لئے فتح الباب برسات کے آغاز کو بھی کہتے ہیں۔ غالب نے اس شعر میں یہ تمام رعایتیں مدِّ نظر رکھی ہیں۔ میخانے کے مالک نے میخانے کا دروازہ کھول کر صلائے عام دیا کہ میخواروں کو توبہ شکنی کر کے شراب پینا کامرانی ہے بارش ہے۔

(۵۹)

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

نیا چاند دبلا ہوتا ہے جیسے کہ عاجز و مجبور ہو۔ یہ ہمیشہ ایک ہی کروٹ سے لیٹا دکھائی دیتا ہے۔ آدمی کروٹ کے بل لیٹ کر اگر پاؤں کو کسی قدر موڑ کر پیٹ کی جانب کر لے تو ہلال سے مشابہت ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ آسمان نے مجھے ماہِ نو کی طرح عاجز و ناتواں کیا ہوا ہے اور ہلال کی طرح ہمیشہ ایک ہی کروٹ لٹاتا ہے۔

(۶۰)

آپ نے مسّنی الضرّ کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرتِ ایوب گلا ہے تو سہی

"مسّنی الضرّ": مجھے ضر (تکلیف) نے مس کیا (چھوا)۔ یہ ایک آیت کا جزو ہے جس کے معنی ہیں "اور ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو کہ بے شک مجھے پہنچی تکلیف اور تو رحمان و رحیم ہے"۔ غالب اسی قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اے حضرتِ ایوب آپ کا صبر مشہور ہے لیکن خدا سے یہ کہنا کہ مجھے تکلیف ہوئی یہ بھی تو شکایت ہے۔

رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں کر
ذہن میں خوبیِ تسلیم و رضا ہے تو سہی

پیٹوں: سینہ کوبی کرنا، ماتم کرنا۔ میں مرضیِ الٰہی کے آگے تسلیم کی خوبی جانتا ہوں لیکن جب رنج برداشت سے زیادہ ہو جائے تو کیونکر شور و غل نہ کروں۔

ہے غنیمت کہ بہ امید گزر جائے گی عمر
نہ ملے داد، مگر روزِ جزا ہے تو سہی

روزِ جزا: انصاف کا دن یعنی قیامت۔ قیامت کا دن تو یقیناً آئے گا۔ اس روز اگر ظلموں کی داد نہ دی جائے تو بھی یہ فائدہ ہے کہ زندگی میں اس داد و انصاف کی امید ہے اور اس امید کے سہارے عمر کٹ جائے گی۔ یعنی ظالم کو ظلم کی سزا ملے کہ نہ ملے اس وقت تک ہم اپنے دل کو بہلا لیتے ہیں کہ اس کو حساب چکانا ہوگا۔

نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں
کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

جبریوں کا عقیدہ ہے کہ خدا نے ازل ہی میں سب کی تقدیر لکھ دی ہے۔ غالب کہتے ہیں میں اسی لکھے کو عمل کی شکل میں ڈھال رہا ہوں۔ اس شعر میں شوخی یہ ہے کہ اپنے سارے گناہوں کی ذمہ داری خدا کے ذمے ڈال دی ہے۔

(۶۱)

تیرے کوچے کا ہے مائل دلِ مضطر میرا
کعبہ اک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

قبلہ نما: وہ آلہ جو سمت کا پتہ دے اور جس سے قبلے کا پتہ لگائیں۔ میرا تڑپتا ہوا دل صرف تیرے کوچے کی طرف مائل رہتا ہے۔ میرے لئے تیرا کوچہ کعبے کی طرح ہو گیا ہے۔ اور میرا دل اس کے قبلہ نما کی طرح۔ یہ نیا قبلہ نما ہمیشہ کوچۂ محبوب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی، آبِ بقا اور سہی

یہ مانا کہ زہر کچھ اور ہوتا ہے اور آبِ حیات اور یعنی زہر آبِ حیات نہیں پھر بھی مجھے ایسی چیز دو جسے کھانے کے بعد کسی چیز کی طلب نہ رہے۔ پانی بھی نہ مانگوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیز زہر ہی ہو سکتی ہے۔ آبِ حیات نہیں۔ زہرِ ہلاہل پی کر فوراً ختم ہو جائیں گے۔ کبھی کسی شے کی ضرورت نہ رہے گی۔

(۶۲)

کٹے تو شب کہیں، کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے

زلف کٹنے سے مراد "زلف تراشی جائے" نہیں بلکہ شبِ زلف قطع (کٹے) ہو یعنی زلف کا قرب حاصل ہو اور کچھ دیر زلف کے سائے میں گزارتی ہے۔ اس صورت میں زلف کو رات سے تشبیہ دیں گے۔ اگر زلف کا قرب میسر نہ ہو اور دور سے جلوہ دکھا کر محروم رکھے اور تڑپائے تو اسے سانپ کہیں گے۔ آخر یہ زلف ہے کیا؟

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

نجومی پیدا ہونے والے بچے کا زائچہ بنا کر اس کی قسمت کے بارے میں حکم لگاتے رہیں یعنی پیشین گوئی کرتے رہیں لیکن اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کسی کو کیا خبر کہ خدا کے قلم نے کیا لکھا ہے۔

نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

نشر: قیامت کے دن مُردوں کا اُٹھ کھڑا ہونا۔ ظاہراً یہ شعر محبوب کے بارے میں ہے کہ وہ کسی مذہب کا قائل نہیں اس کے قول و قسم کا کیا بھروسہ

وہ داد و دیدِ گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

مہرِ سلیمان: سلیمان کی انگوٹھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور اس کی وجہ سے جن و پری اور دوسری سب مخلوق ان کے قبضے میں تھی۔ حضرت سلیمان اپنے اقتدار کے بل پر انصاف کرتے تھے۔ جامِ جم سے غیب کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ داد یا انصاف کا اشارہ مہرِ سلیمان کی طرف ہے اور دید کا اشارہ جامِ جم کی طرف۔ مُراد یہ ہے کہ صرف مہرِ سلیمان یا جامِ جم کی کیا اہمیت ہے اصل اہمیت تو ان اشیا کے مالکوں کی عدل پروری یا بصیرت کی ہے۔ یعنی اگر کسی کے پاس بادشاہی کے مادّی ساز و سامان ہو جائیں تو کیا؟ اصل چیز یہ ہے کہ اس میں بادشاہوں کی نیک صفات پیدا ہوں۔

(۶۳)

لطفِ نظّارۂ قاتل، دمِ بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے، پہ کہیں دل آئے

دمِ بسمل کے معنی دمِ قتل نہیں ہو سکتے اس لئے دمِ بسمل کو مخاطب کر کے معنی نکالنے ہوں گے اے بسمل کے سانس یا جان، تیرا وقوع ہو یعنی بسمل ہونے کا موقع آئے تو اس کا روشن پہلو یہ ہے کہ قاتل کو دیکھنے کا لطف ملے گا۔ جان جائے گی تو جائے لیکن ایک ایسی شکل تو دکھائی دے گی کہ اس پر دل آجائے گا۔

آئیں جس بزم میں وہ، لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو، وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے

ہنگامہ: زور شور کسی محفل میں شور ہو رہا ہو خواہ وہ پسندیدہ ہو یعنی رونق فزا ہو یا ناپسندیدہ۔ جب محبوب وہاں پہنچتا ہے تو سب کہتے ہیں کہ لو یہ ہنگامے کو ختم کر دینے والے آئے۔ سب ان کے سامنے یا اُن کے رعب سے خاموش ہو جاتے ہیں اور محفل کا ہنگامہ ختم ہو کر خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ وہ سب کو قتل کر کے محفل کو گورستان کی طرح سنسان بنا دیتے ہیں۔

رُباعیات

(۴)

اے منشیِ خیرہ سر، سخن ساز نہ ہو
عصفور ہے تو، مقابلِ باز نہ ہو

برہانِ قاطع کے معرکے میں منشی سید سعادت علی نے محرقِ قاطعِ برہان لکھی تھی۔ غالب نے میاں داد خاں سیاح کے نام سے اس کے جواب میں لطائفِ غیبی لکھی جس میں مندرجہ بالا رُباعی شامل ہے۔ عصفور چڑیا کو کہتے ہیں۔ اے بے ہودہ خیالات رکھنے والے منشی باتیں نہ بنا۔ تو چڑیا ہے باز سے مقابلہ نہ کر۔

دوسرا شعر صاف ہے اس لئے حذف کر دیا گیا۔

غالبؔ کے خود نوشت دیوان کے نئے اشعار

ص۱۲الف اسد افسردگی آوارۂ کفرو دیں ہے

یادِ روزے کہ نفس در گرہ یارب تھا

افسردگی آوارہ : وہ شخص جو افسردگی کی وجہ سے آوارہ ہو گیا ہو۔ "یارب" غالب کے یہاں عموماً فریاد کی علامت ہے لیکن اس شعر میں خدا کی ذات پر عقیدے کی طرف توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ایک زمانے میں غالب افسردہ ہوتا تھا تو یارب کہہ کے خدا کو یاد کرتا تھا یعنی اسے خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔ اب شدتِ افسردگی کی وجہ سے مذہبیت سے گریز کر کے تعقل اور کفر کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس طرح کثرتِ آلام نے اسے مذہبیت اور الحاد کے بیچ آوارہ بنایا ہوا ہے۔

ص۱۷الف فرو پیچیدنی ہے فرش، بزمِ عیش گستر کا

دریغا گردش آموزِ فلک ہے دورِ ساغر کا

پیچیدنی : لپیٹنے کے لائق۔ فرو : نیچے، یہ لفظ محض زائد ہے۔ بزمِ عیش گستر : عیش کرنے والی بزم۔ محفل سجانے کیلئے سب سے پہلے فرش بچھایا جاتا ہے گویا فرش، بزم آرائی کی علامت ٹھہرا لیکن بزمِ عیش کا فرش اس قابل ہے کہ اسے شروع ہی میں اٹھا دیا جائے۔ کیونکہ جیسے ہی ساغر کا دور چلے گا اسے دیکھ کر آسمان کو بھی گردش کرنا آجائے گی اور ساغر کی طرح وہ بھی گھومنے لگے گا۔ گردشِ آسمان کا نتیجہ ہے تغیر و انقلاب یعنی بزمِ عیش کا بزمِ ماتم و فریاد میں بدل جانا چونکہ دورِ ساغر کا لازمی نتیجہ ہے آلام و مصائب کا نزول اس لئے بہتر ہے کہ بزمِ عیش کا فرش بچھانے ہی تہہ کر کے رکھ دیا جائے۔

خطِ نوخیز کی، آئینے میں دیکھو کس نے آرائش

کہ ہے تہہ بندی پر ملے طوطی، زنگ جوہر کا

اس شعر میں گوناگوں رعایتوں سے کام لیا گیا ہے خط، آئینہ، طوطی، جوہر۔ فولادی آئینے کا جوہر نقطوں یا دھاریوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اس لئے اسے سبزۂ خط سے مشابہ کرتے ہیں۔ خط کو سبز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایرانیوں میں کالا اور نیلا رنگ منحوس سمجھا جاتا ہے اس لئے ان رنگوں کی اشیا مثلاً خط اور آسمان کو ہرا قرار دیا جاتا ہے۔ طوطی اور آئینے کی مناسبت کی

دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ طوطی کو آئینے کے سامنے بٹھا کر بولنا سکھاتے ہیں دوسرے یہ کہ برسات میں فولادی آئینے پر ہرے رنگ کا میل یا زنگار لگ جاتا ہے اور اسے طوطی سے مشابہ کرتے ہیں۔ اب اس شعر کے معنی یہ ہوئے۔

آئینے کے سامنے بیٹھ کر کس حسین نے اپنے نئے نئے سبزۂ خط کو سنوارا ہے کہ فولادی آئینے کے جوہر کا زنگ ایسا خوشگوار سبز ہو گیا ہے جس سے طوطی کے پروں کو رنگنے کے لئے تہہ بندی کا کام لیا جائے۔ تہہ بندی زنگ کے اس استر کو کہتے ہیں جو اصلی زنگ لگانے سے پہلے لگایا جائے تاکہ اصلی رنگ کم خرچ ہو اور بہتر طریقے سے چڑھے۔ سبزۂ خط کے عکس نے جوہر کی دھاریوں کو اس طرح سبز کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے طوطی کے پروں پر زنگ چڑھانے کے لئے استر کا ہاتھ لگایا گیا ہے۔

گیا جو نامہ بر وہاں سے بہ رنگِ باختہ آیا

خطوطِ روئے قالیں، نقش ہے پشتِ کبوتر کا

اس شعر میں قالیں کی جگہ "قاصد" ہوتا تو شعر کے معنی بہتر طریقے پر بیان کئے جا سکتے تھے لیکن بہ صورتِ موجودہ مخطوطے میں "قالیں" صاف صاف لکھا ہے اسے قاصد نہیں پڑھا جا سکتا معنی ہیں کہ میرے پاس سے جو نامہ بر محبوب کے پاس گیا وہاں محبوب نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اڑا ہوا زنگ لے کر آیا۔ کبوتر کو خط لے کر بھیجا تو اس پر ایسی ڈانٹ پھٹکار پڑی کہ اس کی کمر کے نقوش کا زنگ اڑ گیا جہیں دھاریاں معلوم ہوتی تھیں جہیں زنگ اڑ کر سفید خطوط بن گئے تھے۔ اس طرح کمر کی ہیئت قالین جیسی ہو گئی تھی جس پر طرح طرح کی دھاریاں بنی ہوں دوسرے مصرع کی نثر یہ ہے

پشتِ کبوتر کا نقش، خطوطِ روئے قالیں ہے۔

شکستِ گوشہ گیراں ہے فلک کو حاصلِ گردش

صدف سے آسیائے آب میں ہے دانہ گوہر کا

آسیائے آب : پن چکی یعنی وہ چکی جو پانی کے زور سے چلے۔ گوشہ گیر اس شخص کو کہتے ہیں جو قناعت کر کے گوشہ نشیں ہو چکا ہو۔ دانۂ گوہر صدف میں گوشہ نشیں ہوتا ہے اس کی حسنِ تعلیل کی ہے۔ صدف کو چکی کے دو پاٹوں سے مشابہ کیا ہے اور چونکہ صدف پانی میں ہوتی ہے اس لئے اسے پانی کی چکی کہا۔ آسمان جو گردش کرتا رہتا ہے اس کا مقصد گوشہ نشیں لوگوں کو گزند

پہنچاتا ہے چناں چہ گوہر جو گوشہ نشین ہے اس پر صدف کی پن چکی ہر دم چل رہی ہے تاکہ گوہر کو تکلیف ہو۔ یہ سب آسمان کی تحریک پر ہو رہا ہے۔

فزوں ہوتا ہے ہر دم جوشِ خوں باری، تماشا ہے
نفس کرتا ہے رگ ہائے مژہ پر کام نشتر کا

فصد کرتے وقت رگ پر نشتر لگایا جاتا ہے جس سے خون ٹپکنے لگتا ہے۔ عاشق کی آنکھوں سے ہر دم خوں باری بڑھتی جا رہی ہے عجیب بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر سانس کی آمد پلکوں کی رگ پر نشتر لگا کر مزید خون جاری کر رہی ہے۔ تارِ نفس کی مشابہت نشتر سے ہے لمحوں کا تعلق سانس کے آنے جانے سے ہے۔ ہر لمحے کے گزرنے یعنی ہر بار سانس کے آنے سے خوں باری بڑھتی گویا سانس کی آمد ہی خوں باری کی ذمے دار ہے۔

خیالِ شربتِ عیسیٰ، گدازِ ترجبینی ہے
اسد ہوں مست، دریا بخشیِ ساقیِ کوثر کا

شربتِ عیسیٰ: آبِ حیات۔ لغت کے مطابق شربتِ مسیحا آبِ حیات کو کہتے ہیں اور یہی شربتِ عیسیٰ کے معنی ہوئے۔ گداز: پگھلنے سے پانی کا ظاہر ہونا۔ ترجبینی: شرم و غیرت کے سبب پیشانی کا عرق آلود ہونا۔ آبِ حیات کے بارے میں سوچنا دراصل عرقِ شرمندگی کے سوا کچھ نہیں یعنی اس تصور سے محض ندامت و خجالت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسد میں ساقیِ کوثر حضرت علی کی دریا بخشی سے مست ہوں۔ آبِ کوثر کے سامنے مجھے آبِ حیات کی کوئی ضرورت یا خواہش نہیں۔

۸ الف   خاکِ عاشق لیکہ ہے فرسودۂ پروازِ شوق
جادۂ ہر دشت، تارِ دامنِ قاتل ہوا

فرسودۂ پروازِ شوق: شوق کی پرواز کے ہاتھوں خستہ و فرسودہ یعنی گھِسی پٹی ہوئی، تباہ حال۔ مرنے کے بعد عاشق کا جسم خاک ہو کر جنگل کے ہر راستے پر چھا گیا۔ خاکِ عاشق کا صحیح مقام محبوبِ قاتل کا دامن تھا۔ اب یہ خاک صحرا کے راستوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں مضمر شدتِ جذبۂ عشق کی وجہ سے گویا ہر راستہ تارِ دامنِ محبوب ہو گیا ہے کیونکہ یہ عاشق کے شوق کا مورد بنا ہوا ہے۔

۹ الف   تنک ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا
حبابِ بے محابہ صد بالیدنی ساغر نہیں ہوتا

جو کم ظرف، اوچھے اور کم مایہ لوگ ہوتے ہیں وہ کتنی کوشش کریں ان کا مرتبہ بلند نہیں ہو سکتا شراب کے اوپر جو بلبلہ ہوتا ہے وہ کم ظرف ہے کیونکہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ وہ کتنا ہی پھول جائے لیکن وہ ساغر نہیں بن سکتا یعنی اس کا رتبہ وہی ہلکا رہتا ہے۔

عجب ہے آبلہ پایانِ صحرائے نظر بازی
کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

عجب: تعجب ہے۔ صحرا میں عاشق فرطِ وحشت میں دوڑتے ہیں تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں۔ یہاں نظر بازی یعنی حسینوں کو گھورنے کے صحرا کا ذکر ہے جس کے معنی ہوئے حسن کو تکنے والے۔ انھیں خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تمہارے راستے کا تار وہ دھاگا نہیں بن جاتا جس میں موتی پروئے ہوں۔ راستے سے مراد نظر بازی کے جنگل کا راستہ ہے۔ گوہر اور آبلے میں مناسبت ہے۔ صحرا میں کوئی آبلہ پا دوڑتا ہے تو جادے پر مسلسل رطوبت کی بوندیں پڑ جانے سے جادہ رشتۂ گوہر بن جاتا ہے۔ یہاں شاعر اظہارِ تعجب کر رہا ہے کہ اے نظر بازو تمہارا راستہ موتیوں کی لڑی کیوں نہیں بن جاتا یعنی یہ حیرت کی بات ہے کہ تمہاری مسلسل محویت کے باوجود تم کامرانی کے موتیوں سے مالا مال نہیں ہوتے۔

خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلۂ خامش
کہ کم از سرمہ اس کا مشتِ خاکستر نہیں ہوتا

عجزے: ایسا عجز یا خاکساری۔ مشتِ خاکستر: ایک مٹھی راکھ۔ عاشق محبوب کے حضور خاکساری و عاجزی کا مظاہرہ کرتا رہے تو کچھ برا نہیں۔ اگر وہ عشق کی آگ میں شعلے کی طرح جل کر خاموش ہو جاتا ہے تو اس سے پیدا شدہ مٹھی بھر راکھ اتنی بیش بہا ہو گی کہ لوگ اسے سرمہ کی طرح آنکھوں میں لگائیں گے یعنی عشق میں صبر و ضبط سے جان دے دینے میں کوئی خسارہ نہیں بعد میں عاشق کا نام روشن رہے گا۔

سرمہ اور خاموشی میں ایک رعایت ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے جس طرح شعلہ بجھ کر خاموش ہو جاتا ہے اسی طرح عاشق جل کر سرمہ یعنی خموشی کی علامت بن جاتا ہے۔

تماشائے گل و گلشن ہے مفت سر بہ جیبی ہا
بہ از چاک گریباں، گل ستاں کا در نہیں ہوتا

سر بہ جیبی: جیب کے معنی ہیں گریباں، سر کو گریبان میں ڈالنے کا شغل جو مایوسی یا تصور کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ہم نے گریباں چاک کیا اور اس میں سر ڈال کر دیکھا کئے۔ اس میں پھول اور باغ کا نظارہ مفت ہی میں حاصل ہو گیا۔ غالباً سینے کے زخموں اور داغوں کو دیکھ کر یا پھر محض تصور کے گلزار کی سیر کر کے۔ اس سے ثابت ہوا کہ باغ کا دروازہ چاک گریباں سے بہتر نہیں ہوتا

نہ رکھ چشمِ حصولِ نفع صحبت ہائے ممسک سے
لبِ خشکِ صدف، آب گہر سے تر نہیں ہوتا

چشم: توقع۔ ممسک: کنجوس۔ کنجوسوں کی صحبت میں کسی قسم کے نفع کی توقع نہ رکھ۔ موتی مالدار اور بیش بہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس آب بھی ہے لیکن صدف کا سوکھا ہونٹ اس بخیلی کے آب سے فیض پاکر تر نہیں ہوتا۔

آب کے لفظ کے دو معنوں چمک اور پانی سے فائدہ اٹھایا ہے پانی میں چمک ہوتی ہے جسے آب کے مترادف مان لیا ہے۔

نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں
کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا

دروازے پر تالا لگا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ مکان کے اندر کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اس کے اندر کسی کو داخل ہونا ممکن نہیں۔ ہوا سے اڑ کر سنہرے غنچے بلبلوں کے آشیانوں کے باہر پڑے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر سونے کا تالا لگا دیا گیا ہے۔ کوئی ایسا گھونسلا نہیں جس پر غنچے کا قفل زر نہ لگا ہو یعنی عشق کرنے سے انسان گھر بار سے محروم ہو کر خانماں برباد اور آوارہ ہو جاتا ہے اور اس کی اس خانہ بربادی کی ذمہ داری محبوب پر ہے۔

صفا کب جمع ہو سکتی ہے بغیر از گوشہ گیری ہا
صدف بن قطرۂ نیساں 'اسد' گوہر نہیں ہوتا

گوشہ گیری: توکل کر کے گوشہ نشین ہو جانا۔ دل کی صفائی گوشہ نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ابرِ نیساں کی بوند صدف میں گرتی ہے تبھی موتی بن کر صفائی کا خزانہ جمع کر لیتی ہے۔ اگر گوشہ گیری اختیار نہ کرتی تو گوہر نہ ہو پاتی۔

وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا
ماہ پر ہالۂ صفت حلقۂ فتراک چڑھا

وہ محبوب جس کا مرتبہ آسمان کی طرح بلند ہے جب چالاک گھوڑے پر سوار ہوا تو چاند کے گرد اس کے فتراک کا حلقہ اس طرح محصور ہو گیا جیسے ہالہ ہو یعنی اس نے گھوڑے پر چڑھ کر چاند کو اسیر کر لیا کیونکہ چاند بھی اس سے کم حسین تھا۔

نشۂ مے کے اتر جانے کے غم سے انگور
صورتِ اشک بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

تاک: انگور کی بیل۔ نشۂ مے کس پر تھا جس کے اترنے کا انگور کو غم ہے یہ واضح نہیں کسی رند کا نشہ اترا ہے یا خود انگور مست تھا اور اس کا نشہ جاتا رہا۔ بہر حال نشے کی کیفیت خواہ کسی بادہ نوش کی رہی ہو یا انگور کی، اس کیفیت کے زوال پر انگور کو دکھ ہوا اور وہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے انگور کی بیل کی پلک پر آنسو کا قطرہ ہو۔ رگِ تاک سے مراد ہے انگور کی بیل کے ریشے یعنی خود انگور کی بیل اور اس کی ٹہنیاں۔ انگور کو افسوس ہے کہ اس کی زائیدہ چیز شراب اب ختم ہو گئی اور اس کا اثر زائل ہو گیا۔

بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ خال
مے کشیدن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا

یار کے لب پر تل تھا۔ ہونٹوں کا بوسہ لیا تو تل کا مزا بھی مل گیا۔ سرخ ہونٹ شراب کی طرح ہوتے ہیں اور کالا تل کالی افیون کی طرح۔ میں نے ہونٹوں کی شراب پی لیکن مجھے افیون کا نشہ ملا۔

میں جو گردوں کو بہ میزانِ طبیعت تولا
تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

ہم سنگ: ہم وزن۔ سنگ سے مراد باٹ ہیں جن چیزوں کو تولنے میں برابر کے باٹ کام آئیں۔ میں نے آسمان کو اپنی طبیعت کی ترازو پر تولا تو یہ ایک مٹھی خاک کے برابر ہلکا نکلا۔ آسمان جو بلندی کی معراج ہے وہ میرے مزاجِ فقر کے سامنے خاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اے اسد، واشدنِ عقدۂ غم گر چاہے
حضرتِ زلف میں جوں شانہ دلِ چاک چڑھا

کسی کو کوئی الجھن یا پریشانی درپیش ہوتی ہے تو کسی محترم ہستی یعنی پیر، درویش وغیرہ کی نذر

میں کوئی چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ غم سے چاک چاک شدہ دل شانے کی طرح ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اے اسد اگر اپنی غم کی گرہ کو کھولنا چاہیے تو محبوب کی زلف کی بارگاہ میں اپنے چاک شدہ دل کو چڑھا دے۔ وہ خوش ہو کر تیرے غم کو دور کر دے گا۔ شانہ زلفوں میں چڑھا ہی کرتا ہے۔ دل کو بھی اسی کی طرح چڑھانے کا مشورہ دیا ہے۔

اب   خط جو رُخ پر جانشینِ ہالۂ مہ ہو گیا
ہالۂ دودِ شعلۂ جوالۂ مہ ہو گیا

شعلۂ جوالہ: کسی لکڑی کے سروں کو جلا کر یا ان میں جلتا ہوا کپڑا باندھ کر گھمایا جائے تو اسے شعلۂ جوالہ کہتے ہیں۔ دوسرا مصرع تشبیہ کے طور پر ہے یا حقیقی معنی میں اس سے دو مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) محبوب کا چہرہ چاند کی طرح ہے۔ اس پر خط جو آیا تو وہ چاند پر ہالے کی جگہ ہو گیا۔ یہ چاند سا چہرہ شعلۂ جوالہ تھا اور یہ ہالۂ خط اس شعلے کا دھواں معلوم ہوتا تھا کیونکہ دھواں اور خط دونوں کالے ہوتے ہیں۔ (۲) محبوب کے چاند سے چہرے پر خط ہالۂ مہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر آسمان پر چاند ماند ہو گیا اور محض ایک چلتے پھرتے شعلے کی طرح رہ گیا اور اس کا ہالہ اس شعلے کا دھواں معلوم ہونے لگا۔ سبزۂ خط کے مقابلے میں ہالے کی کیفیت بس اتنی تھی۔

حلقۂ گیسو کھلا، دورِ خطِ رُخسار پر
ہالۂ دیگر بہ گردِ ہالۂ مہ ہو گیا

رُخسار پر خط چاند پر ہالے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ گیسو کھل کر خطِ رُخسار کے حلقے کے ارد گرد حلقے کی طرح پھیل گئے اور چاند کے ہالے کے گرد ایک دوسرا ہالہ معلوم ہونے لگا۔

شب کہ مستِ دیدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب
پارۂ چاکِ کتاں، پرکالۂ مہ ہو گیا

کتاں کے لئے ایک روایت مشہور ہے کہ یہ اتنا نازک کپڑا ہوتا ہے کہ چاندنی میں رکھا جائے تو پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ پرکالہ: ٹکڑا۔ جامہ زیب محبوب نے کتاں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ رات وہ مہتاب کا نظارہ کرنے میں مست ہو گیا۔ چاندنی میں اس کے لباس کا کتاں جو چاک ہوا تو اس چاند جیسے محبوب کے جسم سے وابستگی کی وجہ سے کپڑے کا ٹکڑا چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔

شب کہ وہ گل باغ میں تھا جلوہ فرما اے اسد
داغِ مہ جوشِ چمن سے لالۂ مہ ہو گیا

رات وہ پھول جیسا محبوب باغ میں جلوہ فرما تھا۔ اس کے اثر سے باغ میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ آسمان پر چاند میں جو داغ تھا اس میں جوشِ روئیدگی نے یہ اثر کیا کہ اسے کالے داغ کی جگہ سُرخ کر دیا جس سے وہ چاند کے بیچ ایک گلِ لالہ معلوم ہونے لگا۔ یہ سب باغ میں محبوب کی موجودگی کا کرشمہ تھا۔

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

یہ شعر عمدۂ منتخبہ سے لے کر عرشی صاحب نے یادگارِ نالہ کے ضمن میں شائع کیا ہے۔ وہاں پہلے مصرع کے متن میں اختلاف ہے۔ ان اوراق کے پیچھے اس شعر کا مفہوم درج کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا متن کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ یار نے عاشق کے جگر پر سناں کا وار کیا۔ اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر جگر میں رہ گیا۔ اُس وقت سناں اندر ڈوب گئی تھی بعد میں زخم پک کر اس کا ٹکڑا دکھائی دینے لگا گویا زخم کے دہن میں زبان پیدا ہو گئی۔

لبانِ سبزہ رگِ خواب ہے زباں ایجاد
کرے ہے خامشیِ احوالِ بے خوداں پیدا

رگِ خواب: جسم میں بعض ایسی رگیں ہوتی ہیں جنھیں دبانے یا صدمہ پہنچانے سے غشی طاری ہونے لگتی ہے ان کو رگِ خواب کہتے ہیں۔ رگِ خواب علامت ہوئی غفلت و بے ہوشی کی۔ بے ہوشی میں انسان کچھ نہیں بول سکتا لیکن غور سے دیکھا جائے تو بے ہوش یا خوابیدہ شخص زبانِ حال سے اپنا احوال بیان کر رہا ہوتا ہے گویا رگِ خواب نے سبزے کی طرح زبان پیدا کر لی ہے۔ بے خود و بے ہوش لوگوں کی خاموشی ہی ان کا احوال ظاہر کر رہی ہے۔

صفا و شوخی و اندازِ حسن، پا بہ رکاب
خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

پا بہ رکاب: کوچ پر آمادہ۔ خط: داڑھی۔ حسن کی صفائی، شوخی اور ناز و ادا کو قیام نہیں۔ یہ کوچ پر آمادہ ہیں۔ امردوں کے چہرے پر جو داڑھی کے کالے بال آتے ہیں وہ ان کی صفائے حُسن اور انداز وغیرہ کے کوچ کی نشانی ہیں۔ یہ کاروانِ حُسن کی گرد ہیں۔ داڑھی آنے کے بعد حسن زائل ہو جاتا ہے۔ نئے نئے خط میں بالوں کا ژولا گرد سے مشابہ ہوتا ہے۔

نہیں ہے آہ کو ایمائے تیرِ بالیدن
وگرنہ ہے خمِ تسلیم سے کماں پیدا

ایما : اشارہ۔ عاشق کی آہ کو تیر سے مشابہ کیا جاتا ہے۔ غالب نے یہ جدت کی کہ کماں بھی پیدا کرلی۔ محبوب کے سامنے جب وقتِ تسلیم کے لئے سر اور کمر کو خم کرتے ہیں تو کمان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے آہ کو تیر پیدا کرنے کا اشارہ نہیں کیا۔ ورنہ میرے تسلیم میں تو کمان کی صورت ہے ہی۔ اس کمان سے آہ کا تیر سر کر سکتا تھا۔

نصیبِ تیرہ، بلا گردش آفریں ہے اسد
زمیں سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

صد دامن آسماں : وہ آسمان جس میں بہت سے دامن ہوں۔ اے اسد سیاہ نصیب بڑا گردش پیدا کرنے والا ہے۔ انسانوں کو آسمان تکلیف دیتے ہیں۔ سیاہ بختوں کیلئے زمین سے سینکڑوں آسمان پیدا ہو جاتے ہیں۔ آسمان بھی وہ جن کے سینکڑوں دامن ہوتے ہیں اور وہ جن کی گردش طوفاں خیز ہوگی۔

۱۲ب دلِ بے تاب کہ سینے میں دمِ چند رہا
یہ دمِ چند گرفتارِ غمِ چند رہا

پہلے مصرع میں دم کے معنی لمحے اور دوسرے مصرع میں دم کے معنی سانس ہیں۔ اس مختصر زندگی میں بے قرار دل سینے میں کچھ دیر رہا۔ چند انفاس کی حیات کی بدولت متفرق غموں میں گرفتار رہا۔

زندگی کے ہوئے تا کہ نفسِ چند تمام
کوچۂ یار جو مجھ سے قدمِ چند رہا

اس شعر کے وہی معنی ہیں جو ذیل کے مشہور شعر کے ہیں۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

لکھ سکا میں نہ اسے شکوۂ پیماں شکنی لاجرم توڑ کے عاجز قلمِ چند رہا

دوسرے مصرع کی نثر ہے۔ "لاجرم قلم چند توڑ کے عاجز رہا" لاجرم : لاچار۔ میں مجبوراً محبوب کو اس کی وعدہ شکنی کی شکایت نہ لکھ سکا۔ لکھنے میں کئی قلم ٹوٹے عاجز آکر میں نے شکایت نامہ لکھنے کی کوشش ترک کردی۔ قلم ٹوٹنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی، قلم نے ساتھ نہیں دیا اور ٹوٹ ٹوٹ گیا۔ دوسرے یہ کہ شکوے کا طومار

اتنا لمبا تھا کہ لکھتے لکھتے کئی قلم ٹوٹ گئے لیکن بات پوری نہ ہوئی۔

الفتِ زر ہمہ نقصاں ہے کہ اب تک قاروں
زیرِ بارِ غمِ دام و درمِ چند رہا

قاروں مع اپنے خزانوں کے زمین کے نیچے دھنس گیا اور قیامت تک نیچے کو دھنستا چلا جائے گا۔ روپیے کی محبت میں سراسر نقصان ہے۔ قاروں عمر بھر دام و درم کی خاطر پریشان رہا اور مرنے کے بعد سے اب تک انھیں کے بوجھ سے دبتا چلا جا رہا ہے۔

عمر بھر ہوش نہ یک جا ہوئے میرے کہ اسد
میں پرستندۂ روئے صنمِ چند رہا

یوں تو ایک محبوب کے عشق میں ہوش بجا نہیں رہتے لیکن میرے لئے اس کی مزید وجہ یہ ہے کہ میں عمر بھر متعدد حسینوں کو چاہتا رہا۔ آج اسے کل اُسے یا بہ یک وقت کئی کو۔ ایک سے دل لگایا جائے تو ہوش یک جا رہیں۔ جب ہر جائی پن اختیار کیا تو دل کو بھی مختلف مقامات پر لے جانا پڑا اور ہوش ایک جا پر قائم نہ رہے۔

۱۳الف نہاں کیفیتِ مے میں ہے سامانِ حجاب اس کا
بنا ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اس کا

پنبۂ مینا : وہ روئی جو صراحی کے منہ پر ڈاٹ کے طور پر لگائی جائے۔ بہتر تھا کہ شاعر کہتا کہ محبوب کے نقاب میں نشۂ مے پوشیدہ ہے۔ اس کی بجائے شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے حجاب کا سامان نشۂ شراب میں نہاں ہے۔ ساقی نے اس کا نقاب شراب کی صراحی کی روئی سے بنا ہے اس لئے اسے دیکھنے سے نشہ کی کیفیت ہو جاتی ہے۔

ایک دور از کار زاہدانہ معنی اور ممکن ہیں "اس کا" سے مراد محبوبِ حقیقی لیا جائے۔ شراب کے نشے میں آدمی خدا کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے یعنی شراب کی کیفیت میں ایک پردہ نہاں ہے جو محبوبِ حقیقی کے اور ہمارے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ ساقی نے بھی شراب کیا بنائی صراحی کی روئی سے کپڑا تیار کرکے محبوب کے چہرے پر نقاب ڈال دی یعنی شراب کے نشے میں مدہوش کرکے حقیقت ہماری آنکھوں سے دور کردی۔

اگر اس شعلہ رو کو دورِ جامِ مجلس افروزی
زبانِ شمعِ خلوت خانہ دیتی ہے جواب اس کا

شعلہ رو: شعلہ جیسے بھبوکے چہرے والا محبوب۔ اگر اس کو پیغام بھیجوں کہ آکر میری مجلس کو روشن اور پُر رونق کر تو میرے خلوت خانے کی شمع اس پیغام کا جواب دیتا ہے کہ نہ کوئی شعلہ رو محبوب آئے گا نہ بزم آرائی ہوگی بلکہ تیری قسمت میں محض تنہائی کا حجرہ ہے اور اس میں محض شمع ہوگی۔

عیاں کیفیت مے خانہ ہے جوئے گلستاں میں
کرے عکس شفق ہے اور ساغر ہے حباب اس کا

باغ کی نہر میں شراب خانے کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ پانی میں شفق کا عکس پڑنے سے پانی سُرخ معلوم ہو رہا ہے جیسے شراب ہو۔ اس پانی کا حباب ساغر شراب جیسا معلوم ہوتا ہے

اُٹھائے ہیں جو میں افتادگی میں متصل صدمے
کروں گا اشک ہائے واچکیدہ سے حساب اس کا

افتادگی: افلاس اور مصیبت زدگی۔ واچکیدہ: ٹپکے ہوئے۔ میں نے نکبت کے زمانے میں جو مسلسل صدمے اُٹھائے ہیں ان کا حساب ٹپکے ہوئے آنسوؤں سے کروں گا۔ آنسوؤں کی بوندوں کو شمار کروں گا اور اس سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کتنے صدمے اُٹھائے ہیں۔

اسد کے واسطے رنگے بہ روئے کار ہو پیدا
غبار آوارہ و سرگشتہ ہے' یا بوتراب اس کا!

روئے کار: ریشمی کپڑے کا سیدھا رُخ۔ بوتراب: حضرت علی۔ یا علی اسد کے مرنے کے بعد اس کا غبار آوارہ اور پریشان ہے اس کے روئے کار کے لئے کوئی رنگ پیدا کر دو یعنی اس کا ماحول سازگار کر دو، اس کے ظاہر پر بہار لے آؤ۔

(۱۲ الف) زبس ہے ناز پرداز غرور نشۂ صہبا
رگ بالیدۂ گردن ہے موج بادہ در مینا

ناز پرداز: ناز کی پرورش یا آراستگی کرنے والی یعنی ناز بڑھانے والی۔ رگِ گردن: نخوت۔ رگ بالیدۂ گردن: بڑھی چڑھی ہوئی نخوت و غرور۔ دوسرے مصرع میں کون مبتدا ہے اور کون خبر اس سے شعر کے دو معنی ہو جاتے ہیں۔

(۱) گردن کی بڑھی ہوئی رگ نشۂ صہبا جیسے غرور میں ناز پیدا کر دیتی ہے۔ رگِ گردن یعنی نخوت میں وہی کیفیت ہوتی ہے جو بوتل میں موجِ بادہ کی۔ موجِ بادہ بھی نشہ پیدا کرتی ہے رگِ گردن بھی۔ رگِ گردن علامت ہے غرور کی۔ (۲) شراب کی بوتل میں موجِ صہبا ایسی نخوت ظاہر کرتی ہے جو رگِ گردن میں ہوتی ہے۔ یہ موجِ بادہ نشۂ شراب کے غرور کو کچھ اور آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے یعنی شراب کو احساسِ غرور ہو جاتا ہے کہ میں اس قدر نشہ پیدا کر سکتی ہوں۔
پہلے معنی بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

در آب آئنہ از جوشِ عکسِ گیسوئے مشکیں   بہارِ سنبلستاں جلوہ گر ہے آں سوئے دریا

آں سو: اُس طرف یعنی دوسری طرف۔ آب کے معنی چمک اور پانی دونوں کے ہیں اور شاعر نے اس بات کا فائدہ اُٹھایا ہے۔ محبوب آئینے کے سامنے کالے خوشبودار بال سنوار رہا ہے۔ آئینے میں ان کا عکس یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آبِ آئنہ کے دریا کے دوسری طرف سنبل کے باغ پر بہار آئی ہو۔ سنبل سیاہی مائل خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس سے گیسوؤں کو تشبیہ کرتے ہیں۔

کہاں ہے دیدۂ روشن کہ دیکھے بے حجابانہ
نقاب یار ہے از پردہ ہائے چشم نابینا

دیکھنے والی آنکھ ہی نہیں ہے کہ محبوب حقیقی کو بے پردہ دیکھ سکے۔ لوگوں کی آنکھیں نابینا ہیں ان اندھی آنکھوں کے پردے محبوب کا نقاب بن گئے ہیں۔ یعنی جن میں بصیرت ہوتی ہے وہ محبوب کو دیکھ سکتے ہیں جن میں بصیرت نہیں وہ نہیں دیکھ سکتے۔ آنکھ میں روایت کے مطابق سات پردے ہوتے ہیں ان پردوں کو روئے یار کا نقاب قرار دیا ہے۔ یہ مضمون بہت عام ہے ولی نے کہا تھا۔

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

اور خود غالب نے ایک اور جگہ کہا۔

واکر دئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حُسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

نہ دیجے پاسِ ضبطِ آبرو، وقت شکستن بھی
تحمل پیشہ، تمکین رہے ہے آئنہ آسا

تمکین: استقلال، رکھ رکھاؤ۔ شکست کھانے یا ٹوٹنے کے وقت بھی اپنی آبرو کا خیال رکھنے آئینے کو دیکھے وہ ٹوٹتا بھی ہے تو اس کے ٹکڑوں میں وہی آب برقرار رہتی ہے۔

اسی طرح آپ بھی ناکامی میں ثابت قدمی کے ساتھ اپنا وقار ہاتھ سے نہ دیجئے۔

اسدؔ طبعِ متیں سے گر نکالوں شعرِ برجستہ
شرر ہو قطرۂ خونِ فسردہ، در رگِ خارا

کسی قطرے کے ٹھٹھرنے کی انتہا یہ ہے کہ وہ جم کر پتھر ہو جائے۔ پتھر جمود کی انتہائی مثال ہے۔ سخت پتھر کی رگوں میں خون بالکل افسردہ رہتا ہے کیونکہ یہ کبھی ہلتا جلتا ہی نہیں۔ اے اسدؔ اگر میں اپنی متانت بھری طبیعت سے بے ساختہ اور برمحل اشعار کہوں تو سنگِ خارا کی رگوں میں جما ہوا قطرۂ خون بھی چنگاری بن جائے۔

پتھر میں چنگاری کا وجود ہوتا ہی ہے۔ پتھر کی دھاری کو رگ کہتے ہیں۔ رگ کی رعایت سے قطرۂ خون بھی فرض کر لیا۔

(۱۶ الف) رنگ ریزِ جسم و جاں نے از خمستانِ عدم
خرقۂ ہستی نکالا ہے بہ رنگِ احتیاج

رنگ ریزِ جسم و جاں: خالق۔ خمستان: وہ مقام جہاں بہت سے مٹکے رکھے ہوں یہاں رنگ کے مٹکے مراد ہیں۔ عدم کو رنگنے کی کارگاہ قرار دیا ہے۔ جہاں سے خالق جامہ ہائے ہستی کو رنگ دے کر اس دنیا میں بھیج رہا ہے۔ اس نے ہستی کی گدڑی پر احتیاج کا رنگ چڑھایا ہے جس کی وجہ سے انسان زندگی بھر ضرورتوں میں مبتلا رہتا ہے خصوصاً مالی اعتبار سے۔ احتیاج خاص طور سے معاشی ضرورتوں کے لئے آتا ہے۔

(۱۸ ب) ناتوانی نے نہ چھوڑا لیک بیش از عکسِ جسم
مفت واگستردنی ہے فرشِ خوابِ آئینہ پر

واگستردنی: کھول کر بچھانا۔ کمزوری نے ہمارے جسم کو اتنا کاہیدہ و نحیف کر دیا ہے کہ یہ محض عکس ہو کر رہ گیا ہے۔ اب ہمیں سونے کیلئے بستر کی ضرورت نہیں۔ بغیر کچھ صرف کئے ہم اپنا فرشِ خواب آئینہ پر کھول سکتے ہیں کیونکہ عکسِ جسم کے لئے آئینہ صحیح مقام ہے۔

دنداں کا خیال چشمِ تر کر! ہر دانۂ اشک کو گہر کر

اے میری چشمِ تر روتے وقت محبوب کے موتی جیسے دانتوں کا تصور کر۔ اس طرح تیرے دانۂ اشک بھی موتی بن جائیں گے۔

آتی نہیں نیند اے شبِ تار افسانۂ زلفِ یار سر کر

افسانہ سر کرنا: افسانہ شروع کرنا۔ اے تاریک شبِ ہجر نیند نہیں آتی۔ محبوب کی زلف کا افسانہ شروع کر دے۔ زلف اور شب تاریکی میں تشابہ ہے۔

اے دل! بہ خیالِ عارضِ یار یہ شامِ غم آپ پر سحر کر

اے دل محبوب کے گورے صبح جیسے گالوں کے تصور میں شامِ شبِ ہجر کو صبح کی طرح خوشگوار اور روشن بنا لے۔

غالب کا "اپنے تئیں" اور "آپ" والا لطیفہ مشہور ہے کہ انہوں نے اہلِ لکھنؤ کے "خود" کی جگہ "آپ" کے استعمال پر طنز کیا تھا۔ یہاں غالب "خود" کے معنی میں "آپ" استعمال کر گئے ہیں۔

ہر چند امید دور تر ہو اے حوصلہ سعی بیش تر کر

امید کتنی بھی دور کیوں نہ ہو۔ اے حوصلہ اور زیادہ جد و جہد کر۔ امید پوری ہو جائے گی

میں آپ سے جا چکا ہوں اب بھی اے بے خبری! اسے خبر کر

میں ہجرِ یار میں صدمہ اٹھاتے اٹھاتے خود فراموشی کی منزل میں جا پہنچا ہوں۔ اے میری بے خبری اب بھی وقت ہے کہ اسے میرے حال سے مطلع کر دے۔ وہ مجھ سے مل لے تو میں بچ سکتا ہوں۔

افسانہ، اسدؔ، بر ایں درازی! اے غم زدہ! قصہ مختصر کر

اے غم زدہ اسدؔ اپنے غموں کا افسانہ اتنی تفصیل سے کیوں سنا رہا ہے۔ اب اسے مختصر بھی کر۔

(۲۶ ب) یہاں اشک جدا گرم ہے اور آہ جدا گرم
حسرت کدۂ عشق کی ہے آب و ہوا گرم

عشق میں آنسو بھی گرم ہیں اور آہیں بھی۔ اس حسرت بھرے گھر کی آب و ہوا گرم ہے جو عشق میں ناکام ہے اس کے لئے عشق حسرت کدے کے سوا کیا ہے۔

اس شعلے نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم
پھولوں کو ہوئی بادِ بہاری، وہ ہوا گرم

گلگوں: خسرو کے گھوڑے کا نام تھا۔ گرم کرنا: تیز دوڑانا۔ اس شعلے جیسے محبوب نے باغ میں آ کر جو گھوڑا دوڑایا تو اس کے بھاگنے سے گرم ہوا نکلی لیکن پھولوں کو وہی، گرم ہوا موسمِ بہار کی خوشگوار ہوا کی طرح محسوس ہوئی کیونکہ اس کے چلانے کی ذمہ داری اس شعلہ رو محبوب پر تھی۔

گر بہ سرِ دریوزگی جلوۂ دیدار

چوں پنجۂ خورشید ہوا ہے دستِ دعا گرم

دریوزگی : بھیک مانگنا۔ گرم ہو : شدت کے ساتھ مشغول ہو جانا۔ اگر تو محبوب کے دیدار کے جلوے کی بھیک مانگنا چاہتا ہے تو اسے دعا مانگنے والے ہاتھ سورج کے پنجے کی طرح محویت اور تسلسل کے ساتھ مانگ۔ سورج کا پنجہ بھی ایک دستِ گدائی ہے جو محبوب کے جلوے کی طلب کیلئے پھیلا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ محبوب کے جلوے کو سورج کی چمک دمک پر فوقیت ہے۔

یہ آتشِ ہمسایہ کہیں گھر نہ جلادے

کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم

جاگرم کرنا : جائے قرار پکڑنا یعنی لمبے عرصے کیلئے آ بیٹھنا۔ پہلو میں جا گرم کرنا : کسی شخص کا اپنے پہلو میں آکر بیٹھ رہنا اور مستقلاً بیٹھے رہنا۔ بھڑکتے ہوئے دل نے مرے پہلو میں مقام کر لیا ہے۔ پڑوس کی یہ آگ کہیں مرا گھر نہ جلادے۔ اگر ہمسایہ میں آگ لگتی ہے تو اپنے مکان کو بھی شدید خطرہ ہوتا ہے۔ یہاں شاعر نے دلِ سوزاں کو اپنے وجود سے الگ اپنا ہمسایہ قرار دیا ہے

غیروں سے اسے گرمِ سخن دیکھ کے غالب

میں رشک سے چوں آتشِ خاموش رہا گرم

آتشِ خاموش : وہ آگ جس میں شعلہ نہ ہو۔ میں نے محبوب کو غیروں سے بات چیت میں مشغول دیکھا تو میں رشک سے آتشِ خاموش کی طرح جلتا رہا یعنی میں نے محبوب سے کوئی لفظی احتجاج نہیں کیا کچھ کہا نہیں۔

(۲۸و) سرابِ یقین ہیں پریشاں نگاہاں　　اسد کو گر از چشمِ کم دیکھتے ہیں

کہ ہم بیضۂ طوطیِ ہند غافل　　تہِ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں

سرابِ یقین : جن کا یقین یا راسخ عقیدہ سراب یا دھوکے سے زیادہ نہیں۔ پریشاں نگاہ : وہ شخص جو کبھی اس چیز پر نظر ڈالے کبھی اس پر یعنی جس کی نظروں کو ہرجائی پن کی عادت ہو۔ چشمِ کم : تحقیر کی نگاہ۔ بیضۂ تہِ بال لانا : انڈے کو پروں کے نیچے چھپانا۔

دوسرا شعر بہت غیر واضح ہے۔ ایک دور از کار معنی درج کئے جاتے ہیں جن کے بارے میں یقین نہیں کہ شاعر کا یہی عندیہ تھا۔ طوطیِ ہند سے مراد امیر خسرو لیجئے۔ اس صورت میں بیضۂ طوطیِ ہند امیر خسرو کا دیوان ہوگا جو محض طوطی کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ اب فارسی کا یہ شعر یاد کیجیے

دیوانِ ظہیر فاریابی　　در کعبہ بدزد اگر بیابی

جو حضرات اسد کی شاعری کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (کیونکہ وہ ہندی نژاد ہے) ان کی نظر بھٹکی ہوئی اور آوارہ ہے اور ان کا فیصلہ ایک دھوکے سے زیادہ نہیں۔ غافلوں کو جاننا چاہیئے کہ ایک ہندوستانی شاعر امیر خسرو کی شعری تخلیقات کو کعبے جیسے مقدس مکان کی شمع کے سائے میں جگہ دی گئی یعنی مرکزی مقام دیا گیا۔ اسد بھی انھیں کی برادری کا شاعر ہے اس لئے اسے ہیٹی کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔

(۲۹ب) برنگِ سایہ ، سروکارِ انتظار نہ پوچھ

سُراغِ خلوتِ شب ہائے تار رکھتے ہیں

سروکار : واسطہ۔ برنگِ سایہ کا تعلق مصرعِ ثانی سے ہے۔ یہ نہ پوچھ کہ ہمیں محبوب کے مسلسل انتظار سے کتنا تعلق ہے یعنی ہم انتظار میں کس پیوستگی سے لگے رہتے ہیں جیسے سایہ مسلسل کسی کے پیچھے لگا رہتا ہے تاکہ اس کے ہر قدم کا سُراغ رکھے اسی طرح ہم تاریک رات کی خلوت کے پیچھے لگے ہیں تاکہ اس خلوت کا پتہ رکھیں۔ یعنی ہم انتظارِ یار میں تاریک رات میں اکیلے پڑے رہتے ہیں جیسے شبِ تاریک کی تنہائی کی جاسوسی کر رہے ہوں۔

ادب نے سونپی ہمیں سرمہ سائی حیرت

زباں بستہ و چشمِ کشادہ دکھتے ہیں!

سرمہ سائی : لفظی معنی سرمہ گھسنا یعنی سرمہ لگانا۔ چونکہ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے اس لئے یہاں سرمہ سائی کے مجازی معنی خموشی کے ہیں۔ زباں بستہ : بند زبان یعنی کچھ نہ بولنا۔ ہمیں ادب نے یہ سکھایا کہ جو کچھ دیکھو اس پر حیران ہونے کے باوجود خاموش رہو۔ ہماری زبان بند ہے لیکن آنکھ کھلی ہے یعنی ہم خبردار و ہوش مند ہیں۔ صرف ادب کی وجہ سے ہم چپ ہیں۔

(۳۳و) امانِ جادہ رویاندن ہے خطِ جامِ مے نوشاں

وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ہیں مدہوشاں

رویاندن : روئیدن کے معنی ہیں اُگانا۔ اسی کو شاعر نے مخفف کر کے "رویاندن" کر لیا ہے پہلی نون غنہ باندھی گئی ہے یعنی "رویاں دن"۔ جامِ جم میں کچھ خطوط بنے تھے جن سے سیاروں کی کیفیت وغیرہ معلوم ہوتی تھی۔ اب ہر جام کیلئے خط کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ منزلِ حیرت سلوک و طریقت کی ایک منزل ہے جب سالک انوارِ ایزدی کو دیکھ کر حیرت کے عالم میں گم ہو جاتا ہے

کسی نامعلوم میدان میں ادھر اُدھر چلنے کی بجائے پہلے سے بنے ہوئے کسی راستے پر چلا جائے تو یہ بے فکری رہتی ہے کہ یہ راستہ منزل تک پہنچا دے گا۔ اگر اٹکل پچّو چل دیں تو کوئی بھروسہ نہیں کہ صحیح مقام تک جاسکیں گے کہ نہیں۔ مے نوشوں کو منزلِ حیرت تک پہنچنا ہے ان مدہوشوں کو کیا معلوم کہ منزلِ حیرت کدھر ہے اور وہاں کس طرح پہنچا جائے۔ اس لئے انھوں نے اپنے جام میں خط بنالیا ہے تاکہ اس کے ذریعے صحیح راستے کی عافیت اور تحفّظ میسّر آسکے۔

خطِّ جام کو راستے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ محض راستہ نہیں راہ نما بھی ہے۔ اس شعر کا پہلا لفظ مخطوطے میں "ضمان" بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ ضمان کے معنی ہیں "ضمانتی" اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوں گے۔

شراب پینے والوں کے جام میں جو خط بنے ہیں وہ گویا ان کے لئے راستہ مہیا کرنے کی ضمانت ہیں ورنہ یہ مدہوش منزلِ حیرت کے راستے سے کہاں واقف ہیں۔ خطِّ جام کا جادہ انھیں منزلِ حیرت تک پہنچا دے گا یعنی جام کا شغل کرنے سے حیرت کے مقام تک پہنچ جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ جام مئے حقیقت کا جام ہے۔

نہیں ہے ضبط بجز مشّاطگی ہائے غم آرائی
کہ میلِ سرمہ چشمِ داغ میں ہے آہ خاموشاں

مشّاطگی ہا: آرائشیں کرنا۔ میل: سلائی۔ خاموش عاشقوں نے ضبط جو اختیار کر رکھا ہے یہ غم آرائی مشّاطگی کر رہی ہے۔ اس کے سوا اس ضبط کی اور کوئی حقیقت نہیں یعنی غم کو اور زیادہ انتہائی بناکر پیش کرنا ہے۔ گویا خاموش فراق زدوں کی دھیمی آہ داغِ ہجر کی آنکھ میں سرمہ کی سیاہی پھیرنا ہے جس سے چشمِ داغ آراستہ ہوجائے۔

یہ رعایت ملحوظ رہے کہ سرمہ کا تعلق خاموشی سے ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔

بہ ہنگامِ تصوّر ساغرِ زانو سے پیتا ہوں
مئے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبح آغوشاں

صبح آغوشاں: وہ شخص جس کی آغوش صبح کی طرح گوری ہو۔ صبح جبیں اور صبح رخسار کی طرح محبوب کے معنی میں آیا ہے۔ زانو کو کاسہ سے تشبیہ دینا عام ہے۔ زانو پر سر رکھ کر انسان غور و فکر میں کھو جاتا ہے اس لئے ساغرِ زانو سے تصوّر کی شراب ہی پی جاسکتی ہے کہتے ہیں جب میں محبوب کا تصوّر کرتا ہوں تو اپنے ساغر سے حسینوں کی انگڑائی کی کیفیت کی شراب نوش کرتا ہوں۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہا ہے کہ جب بھی میں زانو پر سر رکھ لیتا ہوں حسینوں کی انگڑائی کا منظر چشمِ تصوّر کے سامنے لہرا جاتا ہے۔

لباں روشنیِ دل، نہاں ہے تیرہ بختوں کا
نہیں محسوس دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں

"نہاں ہے" کا مبتدا دود ہے جس کا دوسرے مصرع میں ذکر ہے۔ سیہ پوش: ماتمی اور سوگوار۔ ماتمیوں کی بزم کی مشعل کا دھواں محسوس نہیں ہوتا جس طرح دل کی روشنی باہر سے دکھائی نہیں دیتی اسی طرح بدبختوں کی بزم کا دودِ مشعل بھی نہاں ہوتا ہے۔ محسوس تو تب ہو جب کوئی مشعل جل رہی ہو۔ شاید سیہ پوشوں کی بزم میں مشعل ہوتی ہی نہیں۔

پریشانی اسدؔ در پردہ ہے سامانِ جمعیت
کہ ہے آبادیِ صحرا، ہجومِ خانہ بردوشاں

جمعیت: دل جمعی، طمانیتِ خاطر۔ اے اسدؔ پریشانی بھی ایک طرح سے جمعیت کا اہتمام ہے۔ خانہ بردوش ہونا پریشانی کی علامت ہے کیونکہ بے گھر ہونے سے بڑی پریشانی کیا ہوگی لیکن جنگل میں بہت سے خانہ بردوش جمع ہوجائیں تو یہ جمعیت نہیں ہوئی تو اور کیا ہے۔

(۱۲۳) نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکلِ گوہر افسردن
گرہ ہے حسرتِ آبے بہ روئے کار آوردن

روئے کار: ریشمی کپڑے کا سیدھا رُخ۔ آبے: کسی قدر چمک۔ پانی کا قطرہ بے سبب موتی کی شکل میں ٹھٹھر کر نہیں رہ گیا۔ اس بوند کو حسرت ہے کہ اس کے ظاہرا رُخ پر کچھ آب تاب آجائے۔ اس کی یہ حسرت گرہ بن کر رہ گئی ہے اور یہی گرہ اس قطرے کو منجمد کر دیتی ہے۔

اس شعر میں موتی کو بغیر آب کے تصوّر کیا گیا ہے اسی لئے اسے حسرت زدہ مانا ہے

مہِ نو سے ہے رہ زن وار نعلِ واژگوں باندھا
نہیں ممکن بہ جولاں ہائے گردوں غافلِ پے بردن

پے بردن: سُراغ پانا۔ مویشیوں کے چور لوہے کے ایسے جوتے لاتے ہیں جن سے سُموں کے نشان مخالف سمت کو پڑتے ہیں۔ یہ نعل گائے یا بھینس کو پہنا دئے جاتے ہیں اور تب مویشی کے جاتے سے جو نشانِ قدم ہوتے ہیں وہ سُراغ پانے والے کو گمراہ کر کے دوسری سمت دوڑا دیتے ہیں۔ اس قسم کے نعلوں کو نعلِ واژگوں کہتے ہیں۔ آسمان نے رہزن کی طرح ہلال سے نعلِ

واژگوں پہنا ہوا ہے۔ اس کی جولانی کا سُراغ پانا ممکن نہیں۔ یعنی گردشِ آسماں کیا رنگ دکھائے گی یہ کوئی نہیں جان سکتا ہے۔

خمارِ ضبط سے بھی نشۂ اظہار پیدا ہے
تراوشِ شیرۂ انگور کی ہے مفتِ افشردن

تراوش: ٹپکنا۔ افشردن: نچوڑے جانا۔ ضبطِ جذبہ کی وجہ سے ایک خمار کی کیفیت ہو جاتی ہے اور اس سے بہت کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ خمار میں اعضا شکنی ہوتی ہے ضبط کی وجہ سے کسی کا رنگ باختہ ہوتا ہے تو دیکھنے والے جان جاتے ہیں کہ یہ کوئی صدمہ کھائے ہوئے ہے۔ اگر انگور کو کھینچ کر نہ نچوڑا جائے اور یوں ہی رہنے دیا جائے تو کچھ عرصے بعد اس میں سے شیرہ ٹپکنے لگے گا۔ کیا یہ بغیر کوشش کے نچوڑنا نہیں۔ جس طرح انگور کی حالتِ ضبط نے اس کا باطن افشا کر دیا اسی طرح غم زدوں کا ضبط بھی اظہار سے عاری نہیں ہوتا۔

خرابِ آبادِ غربت میں ہے عیشِ افسوسِ ویرانی
گُل از شاخ دور افتادہ ہے نزدیکِ پژمردن

غربت: مسافرت۔ غالباً یہاں غربت سے مُراد یہ دنیا ہے۔ غریب الدیاری میں ویرانی کا افسوس بے کار ہے۔ پھول شاخ سے ٹوٹ کر دور جا پڑتا ہے تو مرجھانے کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اس لئے غربت میں ویرانی و تباہی فطری ہے۔ آدمی اس دُنیا سے اپنے وطن کی طرف لوٹ کر جائے گا تو اس کی خستہ حالی دور ہو گی۔

فغان و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں؟
خوشا، اے غفلت آگاہاں! نفس دُزدیدن و مُردن

غفلت آگاہاں: غافل لوگ، جو صحیح طریق کار سے ناواقف ہیں۔ اے غافلو آہ و فغاں سے اور تو کچھ حاصل نہ ہوگا صرف اپنے ساتھیوں کیلئے دردِ سر ہو جائے گا۔ کتنا اچھا ہے کہ دم روک کر مر جاؤ تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور تم بھی غم سے چھوٹ جاؤ۔

دریغا! بستنِ رختِ سفر سے ہو کے میں غافل
رہا پامالِ حسرت اے فرشِ بزم گستردن

افسوس کہ میں اس دُنیا سے سامانِ سفر باندھ کر کوچ کرنے سے غافل رہا اور اس کی بجائے بزمِ عیش میں فرش بچھانے کی حسرت سے پامال رہا۔ بزم میں فرش بچھانا یعنی بزم آرائی کر لینا

دُنیا بزم آرائی کی جگہ نہیں۔ یہاں سے جتنی جلد سامان باندھ کر رخصت ہو لیا جائے بہتر ہے۔

اسد ہے طبعِ مجبورِ تمنّا آفرینی ہا
فغانِ بے اختیاری و فریبِ آرزو خوردن

طبعِ مجبور: فطرت کی وجہ سے مجبور۔ اسد اپنی سرشت سے تین باتوں کے لئے مجبور ہے (۱) تمناؤں کو جنم دیتے رہنا (۲) فغاں کیلئے بے اختیاری یعنی فغاں نہ کرنے پر اختیار نہ ہونا۔ (۳) آرزوؤں کا فریب کھانا۔ جب آرزو دل میں آتی ہے تو یہ امکان دکھاتی ہے کہ وہ پوری ہو جائے گی لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کو جنم دینا ہی غلطی تھی۔ (۲۲ ب)

سازشِ صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن
نغمۂ چنگ ہیں جوں تیر و کماں فہمیدن

چنگ ایک خمیدہ خفیف سا ساز ہوتا ہے۔ بتوں نے محفل آرائی کی ہے اس میں چنگ بجا کر نغمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس بزم میں عشاق کو بھی بلایا گیا ہے ان سے بڑی صلح و مدارا کا برتاؤ کیا جا رہا ہے لیکن یہ صلح و مروت ایک سازش ہے جس کے پیچھے عشاق سے جنگ کرنا پوشیدہ ہے۔ چنگ کمان ہے اور نغمہ کی لکیر تیر ہے۔ ظاہر ہے بتوں کی بزم میں جانے کے بعد عشاق کو تڑپنا ہی ہوگا اس لئے ان سے ملنا جُلنا ضرب کھانے کے مترادف ہے۔

بسکہ شرمندۂ بوئے خوشِ گُل رویاں ہے
نکہتِ گُل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن

پھولوں کی خوشبو پھول سے چہرے والے حسینوں کی بہتر خوشبو کے آگے شرمندہ ہے اس لئے وہ دم روک کر غنچے میں جا چھپی ہے۔ میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔

ہے فروغِ رُخِ افروختۂ خوباں سے
شعلۂ شمع، پَرافشاں بہ خود لرزیدن

پرافشاں: پر جھاڑنے والا۔ حسینوں کے روشن چہرے کی روشنی کو دیکھ کر شمع کا شعلہ لرز رہا ہے اور کانپتے کانپتے اپنے پر جھاڑ رہا ہے جس طرح پروانہ شمع پر جا کر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ اسی طرح شمع کا شعلہ حسینوں کے چہرے کے آگے پرافشاں ہے۔

گلشنِ زخم کھلاتا ہے جگر میں پیکاں
گرہِ غنچہ ہے سامانِ چمن بالیدن

چمن بالیدن : چمن کی نشو و نما کرنا۔ گرہِ غنچہ سے مُراد پیکانِ تیر ہے۔ محبوب کے تیر کا اگلا حصّہ جگر میں لگا اور زخم پیدا کر کے باغ لہلہا دیا۔ یہ پیکان غنچے کی گرہ کی طرح ہے لیکن اتنی سی کلی کے پاس چمن لہلہا دینے کا اہتمام ہے۔

چمن دِہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسد
ولے اسے بے خودی و تہمتِ آرامیدن

سبزۂ بیگانہ : گھاس کے وہ تنکے ہوتے ہیں جو دوسروں سے علیحدہ اونچے نکل آتے ہیں اور جنھیں تراش کر بقیہ کی سطح کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ اے اسد میں دُنیا میں سبزۂ بیگانہ کی طرح ہوں تنہا ہوں۔ کوئی میرا ہمدرد نہیں۔ اپنی بے خودی اور آرام طلبی کے الزام پر افسوس ہوتا ہے۔ میں بے خودی کے عالم میں پڑا رہتا ہوں لیکن مجھ پر تہمت لگائی جاتی ہے کہ یہ آرام طلبی اور تن آسانی کے باعث پڑا رہتا ہے۔

(۴۴ الف) منقار سے رکھتا ہوں بہم چاکِ قفس کو
تا گل ز جگر زخم میں ہے راہ نفس کو

دوسرے مصرع میں وزن کی مجبوری سے کچھ تعقید ہو گئی ہے۔ غالباً شاعر کہنا چاہتا تھا از زخم جگر تا گل ہے راہ نفس کو لیکن وزن کی مجبوری سے جگر اور زخم کو الگ کر دیا۔ اب شعر کے معنی یہ ہوئے کہ پنجرہ ایک جگہ سے پھٹا ہوا ہے۔ میں اس چاک میں چونچ ڈالے ہوئے ہیں۔ اس طرح جگر کے زخم سے لے کر پھول تک میرا سانس آمد و رفت کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، میرا سانس پھول تک جا کر اس کی خوشبو لے کر جگر میں زخم تک پہنچتا ہے۔

بے باک ہوں از بسکہ بہ بازارِ محبت
سمجھا ہوں زرہ جوہرِ شمشیرِ عسس کو

عسس : کوتوال۔ کوئی اُٹھائی گیرا یا رہزن بازار میں ہاتھ صاف کرنے جائے تو اسے سب سے بڑا ڈر کوتوال کی تلوار کا رہتا ہے۔ میں بازارِ محبت میں ایسا نڈر ہوں کہ کوتوال کی تلوار کے جوہر کو اپنے لئے حفاظتی زرہ سمجھتا ہوں۔ یعنی بازارِ محبت میں زخموں کو سب سے خوش آئند مانتا ہوں۔

رہنے دو گرفتار بہ زندانِ خموشی
چھیڑو نہ مجھے افسردۂ دزدیدہ نفس کو

دزدیدہ نفس : جو شخص دم بخود ہو گئے ہو۔ مجھے خاموشی کے قید خانے میں گرفتار رہنے دو یعنی دم بخود

پڑا ہوں۔ مجھے نہ چھیڑو۔

پیدا ہوئے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں
فرسودنِ پائے طلب و دستِ ہوس کو

دُنیا مصیبتوں کا گھر ہے جہاں ہم صرف اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ چیزوں کی طلب میں بھاگ دوڑ کر پاؤں کو گھِستے رہیں اور اپنی خواہشات پوری کرنے کیلئے ہوس سے بھرے ہاتھوں کو گھِستے رہیں۔ یعنی ہم دُنیا میں ایک طرف بے نوا ہیں دوسری طرف ہوس اور طلب نے ہمیں گھیرا ہے۔

نالاں ہو اسد، تو بھی سرِ راہ گُذر پر
کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جرس کو

جب قافلہ کوچ کرنے کو ہوتا ہے تو گھنٹہ بجایا جاتا ہے جس کی آواز سُن کر سب اہلِ کارواں چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ گھنٹے کی آواز سب کو متوجہ کرتی ہے۔ شاعر نے اسے فریادِ جرس میں تاثیر سے تعبیر کیا۔ کہتے ہیں کہ اسد تو بھی سرِ راہ فریاد کر کیونکہ جرس جو رہگذر پر بجتا ہے اس کی آواز یا نالے پر سب دھیان دیتے ہیں۔

(۳۵ ب) اشکِ چکیدہ، رنگِ پریدہ
ہر طرح ہوں میں از خود رمیدہ

فراق میں میرے آنسو ٹپک رہے ہیں اور چہرے کا رنگ اُڑ رہا ہے گویا میں جسم ٹپکا ہوا آنسو اور اُڑا ہوا رنگ ہوں۔ آنسو اور رنگ دونوں میری ذات سے الگ ہو جاتے ہیں اس طرح میں خود اپنے وجود سے دور بھاگ رہا ہوں۔

گو، یاد تجھ کو کرتے ہیں خوباں
لیکن بہ سانِ دردِ کشیدہ

دردِ کشیدہ : وہ درد جو اُٹھایا جا چکا ہو، جس کو جھیل چکے ہوں۔ مجھے حسین یاد ضرور کرتے ہیں لیکن اس درد کی طرح جو ماضی میں ان پر گذر چکا ہو اور جس کی یاد خوشگوار نہ ہو۔ گویا میں ایک مصیبت تھا جس کا اُنھیں سامنا کرنا پڑا تھا۔

ہے رشتۂ جاں، فرطِ کشش سے
مانندِ نبضِ دستِ بریدہ

رشتۂ جاں : رگِ جاں۔ کسی دھاگے کو بہت کھینچا جائے تو وہ ٹوٹ جائے گا یا ٹوٹنے

کو ہوگا۔ میرے رشتۂ جاں کی بھی یہی کیفیت ہے صدمات نے اسے تندی سے کھینچا کہ وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی نبض کی طرح ٹوٹ گیا ہے۔

ٹوٹا ہے، افسوس، موئے خمِ زلف
ہے شانہ یکسر، دستِ گزیدہ

دستِ گزیدہ: دانتوں سے کاٹا ہوا ہاتھ۔ افسوس میں دانتوں سے ہاتھ کو کاٹ لیتے ہیں۔ محبوب کی زلفوں میں خم تھے۔ شانہ کرتے ہوئے خمیدہ بال ٹوٹ گیا افسوس کی وجہ سے کنگھی ایسی معلوم ہو رہی ہے جیسے کسی نے اپنے پنجے کو دانتوں سے کاٹ لیا ہو۔ یکسر بمعنی مطلق۔ اس میں سر اور زلف و شانہ میں تلازم ہے۔

خالِ سیاہِ رنگیں رخاں سے
ہے داغِ لالہ درخوں طپیدہ

دو چیزوں کا مقابلہ ہے رنگین چہرے والے حسینوں کے کالے تل کا اور گلِ لالہ کے کالے داغ کا۔ اول الذکر کی فوقیت دیکھ کر آخر الذکر خون میں لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہا ہے۔ گلِ لالہ کے رنگ سے خون کا وجود ہو گیا۔

جوشِ جنوں سے جوں کسوتِ گل   سرتا بہ پا ہوں جیبِ دریدہ

کسوت: لباس۔ جیبِ دریدہ: پھٹا ہوا گریبان۔ پھول کے کھلنے کو اس کے لباس کے چاک ہونے سے تعبیر کیا ہے جو جنون کی علامت ہے۔ میں جوشِ جنوں میں سر سے پا تک پھٹے ہوئے گریبان کی طرح ہوں یعنی میں نے پھول کی طرح اپنا کرتا گریبان سے لے کر نیچے دامن تک پھاڑ دیا ہے

یارو اسدؔ کا نام و نشاں کیا   بے دل فقیرِ آفت رسیدہ

صاف شعر ہے۔ بے دل سے مراد شاعر بیدل نہیں بلکہ لغوی معنی میں لیا گیا ہے۔

(۳۵ب) خوشا طوطی بہ کنجِ آشیانہ   نہاں در زیرِ بال آئینہ خانہ

طوطی دیکھنے میں کتنی اچھی لگتی ہے اور یہ کتنا اچھا ہے کہ وہ گوشۂ آشیانہ میں عافیت سے رہے۔ اس کے پروں کے نیچے ایک آئینہ خانہ چھپا ہو جس کا عکس جھلک کر اس کے پروں کے اوپر آ رہا ہو۔ طوطی کے پروں کے نقش و نگار کو آئینے سے تشبیہ دی ہے۔

سرشک بر زمیں افتادہ آسا
اٹھا یہاں سے نہ میرا آب و دانہ

اس شعر میں "اٹھا" ماضی مطلق کا صیغہ ہے امر کا نہیں۔ زمین سے پانی ملتا ہے اور زمین ہی سے غلّہ کا دانہ۔ مجھے اس زمین سے نہ آب ملا نہ دانہ۔ جس طرح زمین پر گرا ہوا آنسو نہیں اٹھتا اسی طرح میرا آب و دانہ زمین سے نہیں اٹھ سکا یا حاصل ہو سکا۔

قطرۂ اشک آب بھی ہے اور دانہ بھی۔ اس لئے یہ تشبیہ نہایت برجستہ ہے۔

حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے
زباں ہر چند ہو جاوے زبانہ

زبانہ: شعلہ۔ تیری زبان میں کتنی ہی تیزی کیوں نہ آ جائے وہ شعلہ ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن میرے دل میں جو سوز بھرا ہے اسے عرض کرنے کے ناقابل ہے۔

دلِ نالاں سے ہے بے پردہ پیدا
نوائے بربط و چنگ و چغانہ

بربط، چنگ اور چغانہ باجوں کے نام ہیں۔ بعض باجوں میں پردہ ہوتا ہے لیکن میرے نالہ کرنے والے دل میں سے پردے کے بغیر بھی بربط، چنگ اور چغانہ کی آواز پیدا ہو رہی ہے۔

کرے کیا دعویِ آزادیِ عشق
گرفتارِ الم ہائے زمانہ

جو شخص غمِ دنیا میں پھنسا ہو وہ عشق کی آزادی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے۔ عشق کو محبوب کے علاوہ اور سب قیود سے بے نیاز ہونا چاہیئے لیکن آلامِ دوراں کے ہوتے آزادی کا دعویٰ بے معنی ہے۔

اسد اندیشۂ ششدر شدن ہے
نہ پھریے مہرہ ساں خانہ بہ خانہ

ششدر: نرد کی بازی میں وہ خانے ہیں جن میں مہرہ پھنس جائے تو بڑی مشکل سے رہا ہوتا ہے۔ اے اسد مہرے کی طرح لوگوں کے گھر گھر ضرورتیں لے کر مانگتے نہ پھریے۔ اندیشہ ہے کہ نرد کے مہرے کی طرح ششدر ہو کر رہ جایئے گا یعنی کہیں ایسے پھنس جائیں گے کہ آزادی دشوار ہوگی۔

(۳۶ب) اے دریغا کہ نہیں طبعِ نزاکت ساماں
ورنہ کانٹے میں تلے ہے سخنِ سنجیدہ

کانٹا: سونا چاندی تولنے کی چھوٹی ترازو جو ہلکے وزن کو بھی صحیح صحیح تولتی ہے۔ کانٹے میں تلنا: سونے چاندی کے مول بکنا۔ طبعِ نزاکت ساماں سخنِ سنجیدہ تخلیق کرنے والے کی ہے اس کے

قدرداں گاہکوں کی نہیں۔ افسوس کوئی نازک خیال شاعر نہیں ورنہ مینی تلی اچھی شاعری کا بہت بڑا مول ہے۔ ناقدری کی شکایت مناسب نہیں۔

(۲۷ ب) کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلادی
ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی

راہِ عشق کا رہبر اس راستے پہ چلنے والوں سے رہنما کی بجائے جلاد کا سا برتاؤ کر رہا ہے ایسا قاتل راستہ ہے کہ اڑتے ہوئے گرم ریت کی لہر فولادی تلوار کی طرح کاٹ کرتی ہے۔ اس طرح یہ راستہ اور اس کا خضر یعنی رہبر دونوں قاتل ہیں۔

نظر بندِ تصور ہے قفس میں لطفِ آزادی
شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیادی

نظر بند: قید ہونا۔ میں قفس میں قید ہوں اور آزادی کے لطف کے بارے میں تصور کر رہا ہوں۔ ساتھ ہی میرے نصیب میں شکستِ آرزو ہے کیونکہ میری آرزوئے آزادی ناکام ہے۔ میں اس شکستِ آرزو کو صید کئے ہوئے ہوں۔ اس طرح قفس میں رہ کر میں نے تصورِ لطفِ آزادی اور شکستِ آرزو دو چیزوں کو قید کیا ہوا ہے۔

کرے ہے حسنِ ویراں کار روئے سادہ رویاں پر
غبارِ خط سے تعمیر بنائے خانہ بربادی

خانہ بربادی کو ایک دیوار یا مکان مان لیا ہے جس کی تعمیر کی جائے۔ دیوار کی تعمیر کیلئے مٹی گھول کر گارا بنانا پڑتا ہے۔ چھوٹے ابتدائی خط کو غبار مان کر اسے تعمیر کا گارا بنا دیا۔ سادہ رو: امرد جس کے سبزہ نہیں آیا۔ حسن جو دوسروں کو ویران و تباہ کرتا ہے لڑکوں کے چہرے پر غبارِ خط سے مزید تعمیر کر کے دیکھنے والوں کی خانہ بربادی کا انتظام کر رہا ہے کیونکہ خط کے آنے سے وہ اور حسین معلوم ہوں گے۔

خانہ بربادی سے مراد خود لڑکوں کے حسن کی خانہ بربادی نہیں ہو سکتی بلکہ دیکھنے والوں کی خانہ بربادی ہے۔

چنار آسا، عدم سے با دلِ پُر آتش آیا ہوں
تہی آغوشیِ دستِ تمنا کا ہوں، فریادی

اکتوبر، نومبر میں چنار کے پتے سرخ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آگ بھبھوکا ہو۔ اس لئے چنار کو آتشیں کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں میں عدم سے چنار کی طرح جلتا پھنکتا دل لے کر آیا ہوں۔ میری تمنا کا مانگنے والا ہاتھ جو پھیلا ہے وہ بالکل خالی ہے۔ میں اپنی بے نوائی اور ناکامی کا فریادی ہوں اسی لئے مجھے سخت غم و غصہ ہے اور میرے دل میں آگ دہک رہی ہے۔

اسد! از بسکہ فوجِ درد و غم سرگرمِ جولاں ہے
غبارِ راہِ ویرانی ہے ملکِ دل کی آبادی

اے اسد درد و غم کی فوج اس شدت سے جولانی کر رہی ہے کہ میرے دل میں جو جو آرزوئیں آباد تھیں۔ وہ راہِ ویرانی میں غبار بن کر منتشر ہو گئیں یعنی اب ملکِ دل میں کچھ آباد نہیں رہا۔ دوسرے مصرع میں آبادی مبتدا اور غبار خبر ہے۔

(۲۸ ب) بہ زلفِ مہ وشاں رہتی ہے شب بیدار، ظاہر ہے
زبانِ شانہ سے تعبیر صد خوابِ پریشاں کی

اگر کوئی شخص ساری رات کوئی قصہ سناتا رہے تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کی زبان سے وہ قصہ رات بھر بیدار رہا۔ اب شاعر نے کچھ اور نازک خیالی کی۔ رات کی جگہ چاند سے چہرے والے حسینوں کی زلف ہے۔ زلف رات سے مشابہ ہوتی ہے اور چونکہ یہ چاند جیسوں کی ہے اس لئے رات سے اس کی مشابہت کا اور جواز ہو گیا۔ قصہ کی جگہ عاشقوں کے خوابِ پریشاں کی تعبیر ہے۔ راوی کی جگہ کنگھی کی زبان ہے۔ کنگھی نے حسینوں کی زلف کو سنوار دیا۔ فراق زدہ عاشق طرح طرح کے پریشاں خواب دیکھتے ہیں لیکن ان کی تعبیر محض اتنی ہے کہ محبوب رات بھر بنا سنورا رہتا ہے لیکن عشاق سے دور۔

تھکا جب قطرۂ بے دست و پا بالا دویدن سے
زہے یادگاری کا گرہ دیتا ہے گوہر کی

بالا دویدن: چستی و چالاکی و تیز روی۔ غالب کا معمول تھا کہ رات میں شعر کہہ کر کمر بند میں گرہ لگا دیتے تھے جس سے اگلے دن شعر یاد آ جاتا تھا۔ مندرجہ بالا شعر میں یادگاری سے مراد یاد کرنا ہی ہے۔ بارش کا قطرہ بے دست و پا ہوتا ہے جب یہ فضا میں چلتے چلتے تھک گیا تو اس نے سوچا کہ کہیں قیام کیا جائے سو وہ کتنا چل چکا ہے اس بات کو یاد رکھنے کے لئے کسی چیز میں گرہ لگانے کا فیصلہ کیا۔ خود ہی میں گرہ لگا کر ٹھہر گیا اور جمود کے باعث گوہر میں تبدیل ہو گیا۔

(۳۹ الف) آنکھوں میں انتظار سے جاں پُرشتاب ہے
آنا ہے، آ، وگرنہ یہ پا در رکاب ہے

تیرے انتظار میں جان آنکھوں میں آگئی ہے اور باہر نکلنے کیلئے جلدی کر رہی ہے۔ اگر تجھے آنا ہو تو آجا ورنہ یہ جان پا در رکاب ہے یعنی کوچ کرنے کو ہے۔

حیراں ہوں، دامنِ مژہ کیوں جھاڑتا نہیں
خطِ صفحۂ عذار پہ گردِ کتاب ہے

الماری سے کوئی گرد آلود کتاب اُٹھائی جائے تو پڑھنے سے پہلے اسے کسی کپڑے سے جھاڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی اور کپڑا میسر نہ ہو تو اپنے دامن ہی سے جھاڑا جا سکتا ہے۔ پلکوں کے بالوں میں کپڑے کے تاروں کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ چہرہ کھُلی کتاب ہے جس کے دو صفحے دو گال ہیں۔ ان پر نیا نیا خط گرد کی طرح ہے۔ شاعر کو حیرت ہے کہ پلکوں کا دامن رخسار کے صفحے سے غبار جیسے خط کو کیوں نہیں جھاڑ دیتا۔

جوں نخلِ ماتم ابر سے مطلب نہیں مجھے
رنگِ سیاہ نیلِ غبارِ سحاب ہے

نخلِ ماتم: تابوت۔ فارسی میں نیل نیلے کے علاوہ کالے کو بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں رنگ لباسِ ماتم کی علامت ہیں۔ نخلِ ماتم میں چونکہ لفظ نخل (بمعنی پیڑ) پوشیدہ ہے اس لئے شاعر نے نازک خیالی کی کہ تابوت کے پیڑ کی طرح مجھے بادل کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے ماتمیوں کے لباس کی سیاہی ہی بادل کا غبار ہے۔ دوسرے پیڑوں کیلئے بادل اور بارش ضروری ہے نخلِ ماتم کو نہیں یہی شاعر کا حال ہے۔

ممکن نہیں کہ ہو دلِ خوباں میں کارگر
تاثیر جُستنِ اشک سے نقش بر آب ہے

جُستن برج مضموم: ڈھونڈھنا۔ نقش بر آب: پانی پر نقش کرنا فضول اور رائگاں بات ہے۔ ممکن نہیں کہ عاشقوں کے آنسو حسینوں کے دل میں تاثیر کریں۔ ان سے تاثیر کی اُمید ایسی ہی فضول بات ہے جیسے پانی پر لکیر کھینچنا۔ اشک پانی ہوتا ہی ہے اس لئے نقش بر آب اس کیلئے موزوں ہے۔

دیکھ اے اسد بہ دیدۂ باطن کہ ظاہرا
ہر ایک ذرہ غیرتِ صد آفتاب ہے

اے اسد اگر تو باطنی آنکھ سے دیکھے تو دُنیا کا ہر ذرہ کھُلم کھُلا اتنا نورانی ہے کہ سو سورجوں کو بھی غیرت دے۔ ظاہر ہے کہ یہ نورِ ضیائے خداوندی کا حصہ ہے۔

(۴۰ ب) بہارِ شوخ و چمن تنگ و رنگِ گل دلچسپ
نسیمِ باغ سے پا در حنا نکلتی ہے

پا در حنا: مجروح ہونا۔ بہار کے مزاج میں شوخی ہے چمن میں جگہ کی تنگی ہے پھولوں کا رنگ دلچسپ ہے۔ نسیم باغ میں آتی ہے تو نکلنا ہی نہیں چاہتی پھولوں کے رنگ پر مائل ہو کر ٹھہرنا چاہتی ہے۔ باغ تنگ ہے اور بہار شوخی پر آمادہ اس لئے جب نسیم باغ سے نکلتی ہے تو بہار کے ہاتھوں ضرب کھا کر نکلتی ہے۔

(۴۱ ب) نقشِ صد سطرِ تبسم ہے بر آبِ زیرِ کاہ
حسن کا، خط پر، نہاں، خندیدنِ انداز ہے

پہلے مصرع کی مختلف تاویلوں سے شعر کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ کاہ: گھاس بالخصوص سوکھی گھاس۔ آبِ زیرِ کاہ: وہ پانی جس کی پوری سطح پر گھاس پھیلی ہو۔ محبوب کے خط آیا ہوا ہے۔ وہ آبِ زیرِ کاہ پر سینکڑوں استہزائی تبسم کر رہا ہے کہ تم (پانی) گھاس سے دب کر رہ گئے لیکن میرا حسن خط کے باوجود نہیں دبا۔ اس طرح حسنِ محبوب در پردہ اپنے خط پر بھی خندہ کر رہا ہے کہ تم مجھے زائل کرنے میں ناکام رہے۔

(۲) آبِ زیرِ کاہ سے مراد حُسن کی وہ چمک دمک ہے جو گیاہِ سبزہ کے نیچے پوشیدہ ہے۔ ظاہراً محبوب کا تبسم ظاہر نہ ہو لیکن سبزۂ خط کے نیچے جلد پر تبسم کے سینکڑوں خطوط ہیں۔ حسنِ محبوب اپنے خط پر خندہ کر رہا ہے کہ اس کے باوجود حُسن کی آب و تاب نہیں دبی۔ یہ خندہ یا تبسم نہاں اس لئے ہے کہ اس کے نقوش سبزہ کے نیچے ہیں۔

(۳) جو پانی گھاس کے نیچے چھپا ہے اس کی سطح پر تبسم کے سینکڑوں خطوط ہیں وہ کاہ پر تبسم کر رہا ہے کہ تو سمجھتی ہے میں ختم ہو گیا لیکن میں تیرے نیچے رواں دواں ہوں۔ اسی کی مماثلت پر حسنِ محبوب اپنے سبزۂ خط کو خندہ آمیز انداز سے دیکھتا ہے کہ سبزۂ خط کے باوجود حسن دب نہ سکا۔ جس طرح آبِ زیرِ کاہ کا تبسم گھاس کے نیچے پوشیدہ ہے اسی طرح حُسن کا

خندیدنی انداز خط کے نیچے نہاں ہے

(۴۳ ز) از دلِ ہر دردمند سے جوشِ بے تابی زدن
اے ہمہ بے مدّعائی! یک دعا ہو جائیے

جوش زدن: جوش زائل کرنا یا خارج کرنا۔ دوسرے مصرع میں "بے مدعائی" کی جگہ "بے مدّعائے" بھی پڑھا جا سکتا ہے اور معنی میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اس سے مراد وہ شخص ہوگا جو "بے مدّعا" ہے۔

اے میری پوری بے مدّعائی یا اے وہ شخص جو پوری طرح بے مدّعا ہے ایک دعا ہو جا کہ ہر دردمند شخص کے دل سے بے تابی کا جوش ختم کر دیں۔ یعنی یہ تو اچھا ہے کہ دل میں اپنے لئے کوئی بھی مدّعا نہ رکھا جائے لیکن یہ کافی نہیں۔ ساتھ میں یہ بھی کوشش ہونی چاہیئے کہ ہر دردمند کے دل سے بے قراری دور کر دی جائے۔

(۴۷ ب) تجھ کو اے غفلت نسب، پروائے مشتاقاں کہاں
یہاں نگاہ آلودہ ہے دستارِ بادامی تری

غفلت نسب: جو غفلت کے خاندان سے ہے۔ اے تغافل کیش محبوب تجھے عاشقوں کی پروا نہیں۔ حالانکہ تیری بادامی رنگ کی پگڑی ان کی نگاہوں سے آلودہ ہے۔ بادامی کے یہاں کوئی خاص معنی نہیں محض قافیے کی وجہ سے لے آئے ہیں۔

(۴۷ ج) نہیں ہے حوصلہ بامردِ کثرتِ تکلیف
جنوں ساختہ حرزِ فسونِ دانائی

بامرد: ہمت والا۔ حوصلہ تکالیف کی شدّت کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اس لئے جنون کا ڈھونگ کر لیا ہے۔ یہ عقلمندی بلکہ مصلحت کے منتر کا تعویذ ہے۔ جس طرح کوئی افسوں لکھ کر تعویذ میں بند کر دیتے ہیں اسی طرح مصلحت نے یہ راستہ سمجھایا کہ کر سے دیوانے بن جاؤ تاکہ گوناگوں تکالیف کا مقابلہ ہی نہ کرنا پڑے اور بزدل بھی نہ کہلاؤ۔

(۵۰ الف) جورِ زلف کی تقریر، پیچ تابِ خاموشی
ہند میں اسد نالاں، نالہ در صفاہاں ہے

صفاہاں: اصفہان جہاں کا سرمہ مشہور ہے اور سرمہ کھانے سے آواز ختم ہو جاتی ہے ایک پردۂ موسیقی کا نام بھی ہے جو آخر شب میں گایا جاتا ہے۔ اصفہان اور خاموشی کا

تعلق غالب کے ایک اور شعر میں ملتا ہے۔

بہ گمانِ قطعِ زحمت، نہ دو چارِ خامشی ہو
کہ زبانِ سرمہ آلود، نہیں تیغِ اصفہانی

اگر ہند کسی پردۂ موسیقی کا نام ہوتا تو اس شعر میں صفاہاں بھی پردۂ موسیقی کے معنی میں لیا جا سکتا تھا۔ فی الوقت صفاہاں سے سرمہ اور خاموشی کی طرف ذہن کو لے جانا مقصود ہے اور بس۔

زلفِ محبوب عاشقوں پر جو ظلم ڈھاتی ہے ان کا بیان کرنا چاہیں تو مشکل ہے خاموشی سے پیچ و تاب کھا کر رہ جانا پڑے گا۔ جورِ زلف کے خلاف اسد ہندوستان میں بیٹھ کر نالے کر رہا ہے لیکن نالے کا عالم صفاہان میں ہونے والے نالے جیسا ہے جو اُمید ہے کہ اثر سرمہ سے سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ ہند کے نالے کو صفاہانی نالہ قرار دینا ایک طرح کی شوخیِ گفتار ہے

(۵۰ الف) نقش، رنگینیِ سعیِ قلمِ مانی ہے
بہ کمر دامنِ صد رنگِ گلستاں زدہ ہے

دامن بہ کمر کے معنی ہوتے ہیں کسی کام کا ارادہ کرنا یا کسی خدمت میں الگ جانا۔ غالب نے بہ کمر دامن باندھنے کے معنی وہی ہیں اگر مانی کی بنائی ہوئی تصویر خوش رنگ ہے تو اس کی کامیابی کا کیا راز ہے؟ یہ مانی کے قلم کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس کے قلم نے یا خود مانی نے کمر پر جو دامن لپیٹا ہے وہ گوناگوں رنگ کے گلستاں جیسا ہے۔ اس شگفتگی کے ساتھ تخلیق کا ارادہ کیا جائے تو تخلیق بھی رنگین ہوگی۔

(۵۱ الف) کرتا ہے گل جنون، تماشا کہیں جسے
گلدستۂ نگاہِ سویدا کہیں جسے

بہار میں پھولوں کی سیر کو جائیے تو اسے پھولوں کا تماشا کرنا کہتے ہیں لیکن در اصل پھولوں کی دید جنون پیدا کرتی ہے۔ پھولوں کے منظر سے پیدا شدہ جنون۔ سویدائے دِل کی نگاہ کا گلدستہ ہے۔ سویدا دِل کے مرکز میں کالا نقطہ ہوتا ہے۔ سویدا کا تعلق سودا سے ہے۔ سودا (جنون) کا رنگ بھی سیاہ ہوتا ہے۔ اس سیاہ نقطے کی نگاہ بھی وحشت آمیز ہوگی اُنہیں وحشت بھری نگاہوں کا گلدستہ ہے۔

۵۲ الف ع سمجھاؤ اسے، یہ وضع چھوڑے جو چاہے کرے پہ دل نہ توڑے

اس غزل کے بیشتر اشعار صاف ہیں، چند کے معنی درج کئے جاتے ہیں:۔

رگ و پَے : رگ اور پٹھے۔ انسان ازل سے نیاز مند ہے۔ نیاز مندی کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ کسی کے آگے سر جھکایا جائے۔ ضعیفی میں رگ و پَے میں جو خم آ جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سر کو پاؤں سے ربط کر دیا جائے جس طرح کمان کے دونوں سرے ایک دوسرے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ سر کا نیچے کی طرف مائل ہونا انسان کی نیاز مندی پر دال ہے۔

ہے بسمل ادائے چمن عارضاں بہار
گلشن کو رنگِ گل سے ہے در خوں طپیدگی

چمن عارضاں : باغ جیسے گالوں والے حسین۔ بہارِ باغ حسینوں کی اداؤں سے بسمل ہے چنانچہ باغ خون میں لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہا ہے۔ خون کون سا؟ رنگِ گل، کا۔ یہ ثبوت ہوا کہ بہار اور باغ بسمل ہیں۔

دیکھا نہیں ہے ہم نے بہ عشقِ بتاں اسدؔ
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

اے اسد حسینوں کے عشق میں ہمیں تباہ حالی اور حسرت کھینچنے کے اور کوئی تجربہ نہ ہوا۔

(۵۹ الف) بہ دست آورِ دلِ دل، گوہرِ دریائے شاہی ہے
وگرنہ خاتمِ دستِ سلیماں، فلسِ ماہی ہے

خاتمِ سلیمان : سلیمان کی وہ انگوٹھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور جس کی تاثیر سے جن والنس ان کے تابع تھے۔ دوسروں کے دلوں کو الطاف و مروّت سے جیتنا بادشاہی کے دریا کا موتی ہے ورنہ بیش بہا اشیاء زر و جواہر حتیٰ کہ خاتمِ سلیمان جیسی چیز بھی فلسِ ماہی کی طرح کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

دُنیا میں دوسروں کو اُلفت کے ذریعے اپنا بنا لیا جائے تو یہ سب سے بڑی دولت بلکہ بادشاہی ہے۔ مالِ دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔

تحریرِ تاریک طبعوں کا ہے اظہارِ کثافت ہا
کہ زنگِ خامۂ فولاد نامے کی سیاہی ہے

تاریک طبع والے یعنی بد باطن لوگوں کی بات محض گندگی کا اظہار ہوتی ہے۔ لوہے کے قلم کا زنگ سیاہی کی طرح ہوتا ہے۔ لوہے کے قلم (نب) کو تاریک طبع انسان سمجھئے اور

اس کے زنگ کو کثافت آلودہ بات چیت۔ یعنی بُرے آدمیوں کی باتیں بھی بُری ہوتی ہیں۔

خمیدن نشۂ مے میں ہے شرمِ زشت اعمالی
دماغِ زہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے

نشۂ مے کس پر طاری ہے زاہد پر یا رند پر؟ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں جن میں سے دوسرے کو ترجیح ہے (۱) رند شراب پیتے ہیں تو نشے میں ان کا سر جھک جاتا ہے کیونکہ انہیں اپنے بُرے اعمال پر شرم آتی ہے۔ اس کے برعکس زاہد کے دماغ میں بے گناہی ظاہر کرنے کا غرور ہے حالانکہ بد اعمال وہ بھی ہے۔

(۲) اہلِ دُنیا کے سامنے زاہد کے سر میں بے گناہی کا غرور ہے لیکن جب وہ نشۂ مے کا شغل کرتا ہے تو اس کا سر خم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بد اعمالی پر شرم کرنے لگتا ہے۔

نہیں ہے خالی آرائش سے بے سامانیِ عاشق
شکستِ حال انداز آفرینِ کج کلاہی ہے

ٹوپی کو ٹیڑھا کر کے سر پر رکھنا بانکپن اور شان کی بات مانی جاتی ہے۔ عاشق کی بے سامانی میں بھی آرائش کا ایک ڈھنگ پیدا ہے کیونکہ شکستہ حالی سے کج کلاہی کا انداز پیدا ہو جاتا ہے۔ کس طرح؟ دو صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو انسان زمین پر لوٹتا پوٹتا ہے محنت مزدوری میں لگا رہتا ہے اور اسے اپنے لباس کا ہوش ہی نہیں رہتا جس کے طفیل میں ٹوپی کج ہو جاتی ہے۔ یا پھر ٹوپی اتنی ٹوٹی پھوٹی ہے کہ وہ سر پر سیدھی جمی ہی نہیں رہتی بلکہ کچھ دیر کے بعد ایک سمت کو ڈھلک جاتی ہے

اسدؔ خوباں بھی دورِ چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گریباں چاکیِ گل ہا نشانِ داد خواہی ہے

داد خواہی : کسی کے خلاف فریاد کر کے انصاف چاہنا۔ اے اسد حسین لوگ بھی آسمان کی گردش سے رنجیدہ ہیں۔ یہ پھول جو کھلا ہے دراصل اس نے غم کے مارے گریباں چاک کر رکھا ہے اور یہ آسمان کے خلاف داد خواہ ہے۔

(۵۹ الف) نہ چھوڑو محفلِ عشرت میں جا اے مے کشاں خالی
کمیں گاہِ بلا ہے، ہو گیا شیشہ جہاں خالی

اے میکشو بزمِ عشرت میں جگہ خالی چھوڑ کر نہ جاؤ یعنی مسلسل شغلِ مے کشی جاری رکھو

کیونکہ شیشہ اگر خالی ہوجائے تو مصیبت اور بلا کے ورود کا مقام ہے مثلاً شیشے کا کانچ ٹوٹ کر چُبھ سکتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ شیشے کو بار بار پُر کرتے رہو اور بزمِ عشرت میں مشغول رہو۔

نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی صحنِ بیاباں میں
کہ تارِ جادہ سے ہے سبحۂ ریگِ رواں خالی

ریشہ دوڑانا: اُردو محاورہ ریشہ دوانی کے معنی میں نہیں بلکہ ریشے کی بالیدگی اور نشو و نما کیلئے ہے۔ غزل کی عام روایات کے خلاف یہاں شاعر نے کہا ہے کہ دیوانگی کی نمود بیابان میں نہیں ہوسکتی۔ اس کا مقام بستی ہی ہے۔ "دوڑا" ماضی مطلق کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور امر کا بھی دوسرے مصرع میں چلتی پھرتی اُڑتی ریت کو تسبیح سے تشبیہہ دی ہے اور راستے کو رشتۂ تسبیح سے۔ چونکہ ریگِ رواں کسی مقررہ راستے کے مطابق نہیں چلتی اس سے شاعر نے نتیجہ نکالا کہ ریگِ رواں کی تسبیح جادہ سے یعنی دھاگے سے معرّا ہے۔ بغیر دھاگے کی تسبیح کو نہیں گھمایا جاسکتا اس لئے پہلے مصرع میں شاعر نے یا تو ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ بیاباں میں دیوانگی کو فروغ نہیں ہوا کیونکہ ریگِ رواں بغیر جادے کے تھا۔ یا شاعر نے مخاطب سے کہا ہے کہ تو جنگل میں جا کر دیوانگی کو فروغ دینے کی بات بھول جا کیونکہ وہ ریگِ رواں بغیر راستے کے ہے۔ دیوانگی کے لئے لازم ہے کہ بہت ساری ریت اُڑایا جائے۔

دکانِ ناوکِ تاثیر ہے از خود تہی ماندن
سراسر عجز ہوا کر خانۂ مانندِ کماں خالی

ناوکِ تاثیر: تاثیر کرنا جو تیر کی طرح کارگر ہو، دوسروں کو متاثر کرنا۔ دکانِ ناوکِ تاثیر: تاثیر کے تیروں کی دکان یعنی تاثیر کی متاع کا خزینہ ہونا۔ از خود تہی ماندن: اپنا بے سروسامان ہونا کہ اپنے پاس خود اپنی ذات بھی نہ ہو۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری ذات دوسروں کو متاثر کرے اور تیری بات میں تاثیر ہو تو بے غرضی اور بے نوائی اختیار کر۔ کمان کے حلقے کی طرح خالی ہو یعنی ترک و فقر کا راستہ پسند کرے اور سب سے عاجزی کا برتاؤ کر۔

شکست ہے نوا سازِ فغاں در پردۂ دل ہا
کرے ہے مغز سے مانندِ نے کے استخواں خالی

ہڈی کے بیچ گودا ہوتا ہے۔ اگر اسے خالی کر لیا جائے تو ہڈی بانسری کی طرح کھوکھلی

ہوجائے گی اور فغاں کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ کہتے ہیں کہ محبت دلوں کے اندر فغاں کی آواز پیدا کرتی ہے۔ اس کی ایک ترکیب یہ ہے کہ ہڈیوں کا مغز کھا کر انہیں نے کی طرح کر دیتی ہے۔ یعنی محبت میں ہڈیاں تک پھُنک جاتی ہیں اور رونا ہی رونا ملتا ہے۔

عبث ہے خطِ ساغر جلوۂ طوقِ گردنِ قمری
مئے اُلفت سے ہے مینائے سروِ بوستاں خالی

خطِ ساغر جلوہ: وہ خط جو دیکھنے میں ساغر کے منہ کے دائرے کی طرح ہو۔ قمری کی گردن کا طوق خواہ مخواہ حلقۂ ساغر کی طرح ہے۔ سرو کا پیڑ، بوتل کی طرح ہے لیکن محبت کی شراب سے خالی ہے۔ قمری سرو سے محبت کرتی ہے لیکن اسے یہ توقع نہ کرنی چاہیئے کہ سرو کی بوتل سے قمری کے ساغر کو شراب ملے گی۔

نہ بھولو بہ ریزشِ اعداد کی قطرہ فشانی پر
عزیزاں ہے بہ رنگِ صفر، جامِ آسماں خالی

ریزش: بخشش۔ قطرۂ فشانی: کسی کام میں زیادہ تردّد اور بھاگ دوڑ کرنا۔ آسمان پر بہت سے تارے بہت سے زر و جواہر کی طرح ہیں۔ عزیزو آسمان اعداد کی بارش کرنے پر بڑی خاص کوشش کر رہا ہے۔ STATISTICS کی بڑی ریل پیل ہے لیکن اس سے تم بہکاوے میں نہ آجانا۔ آسمان کا جام صفر کے دائرے کی طرح خالی ہے۔ آسمان سے کچھ توقع نہ کرو۔

اسدؔ ہنستے ہیں میرے گریۂ زار پر مردم
بھرا ہے دہر بے دردی سے، دل کیجئے کہاں خالی

اسدؔ: لوگ میرے زار و قطار رونے پر ہنستے ہیں۔ دُنیا بے دردی سے بھری ہے، کہاں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں۔ اس بات کو شاعر نے ایک لطیف طریقے پر کہا۔ چونکہ دُنیا بے دردی سے بھری ہے اس لئے اس میں مزید کسی چیز کی سمائی نہیں۔ میں کہاں اپنے دل کے مظروفات کو انڈیلوں۔

(۱۹۰ الف) ہوتے ہیں رہرواں دلِ خستہ شرمِ نارسائی سے
کہ دستِ آرزو سے یک قلم پائے طلب کاٹے

یک قلم: تمام۔ راستہ چلنے والے اپنی منزلِ مقصود پر نہ پہنچ پانے کی وجہ سے اتنے بد دل اور

ملول ہوتے کہ آرزو کے ہاتھ سے طلب کے پاؤں کاٹ دیئے یعنی یہ تہیّہ کرلیا کہ آئندہ کسی شے کی طلب میں دربدر نہ پھریں گے۔

(۶۰ الف) تماشائے جہاں مُفتِ نظر ہے
کہ یہ گلزار باغِ رہگذر ہے

دُنیا کا تماشا نظر کو مُفت ہی دیکھنے کو مِل رہا ہے کیونکہ یہ باغ راستے کے باغ کی طرح ہے جو کوئی شخص کسی اور مقام کو جاتے سرِ راہ مُفت ہی میں دیکھ لے۔ دُنیا بھی مستقل قیام کی جگہ تو ہے نہیں۔ راستے کا ایک منظر ہے۔

جہاں شمعِ خموشے جلوہ گر ہے
پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے

شمعِ خموشے: کوئی بجھی ہوئی شمع۔ بالِ شرر: چنگاری کے بازو جہاں بھی کوئی بجھی ہوئی شمع موجود ہے پروانوں کے پَر چنگاری کی طرح جل رہے ہیں۔ شعر میں ذرا عجیب بات ہے کہ شمع بجھی ہوئی ہے اور پروانوں کے پَر اب بھی جل رہے ہیں۔ غالباً یہ کہنا مقصود ہے کہ پروانوں کے پَر شرر زدہ ہیں۔ شرر فوراً جل بجھتا ہے وہ پروانوں کے پروں کو جلا کر فوراً بُجھ جائے گا۔

بہ جیبِ اشک چشمِ سرمہ آلود
مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے

پہلے مصرع کی دو قرأتیں ممکن ہیں۔ اشک پر اضافت دی جائے یا نہ دی جائے۔ دونوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ اوّل اشک کو بغیر اضافت کیجئے۔

(۱) جیب: گریباں، چونکہ اگلے زمانے میں جیب گریباں میں ہوتی تھی اس لئے جیب سے مُراد پاکٹ یعنی موجودہ مفہوم میں جیب بھی لے سکتے ہیں۔ دندانِ گہر: موتی کا دانت یعنی خود موتی عاشق کی آنکھ میں آنسو ہے اس میں محبوب کی چشم سرمہ آلود کا عکس پڑ رہا ہے۔ آنکھ مسی لگائے ہوئے دانت کی طرح ہے۔ دانت سفید ہوتا ہے اور اس کے اطراف میں مسوڑے سیاہ یا اودے محبوب کی آنکھ دانت کی طرح روشن ہے اور اس کے چاروں طرف سرمہ مسی کی طرح ہے۔ لیکن تشبیہ معمولی دانت سے نہیں بلکہ موتی کے دانت سے ہے۔ جو صدف میں پانی میں ہے۔ غالب نے وہاں بھی دندانِ گہر پر مسی فرض کرلی۔ چونکہ محبوب کی آنکھ کا عکس عاشق کے آنسو میں

پڑ رہا ہے اس لئے آنکھ کی مشابہت گہر سے ہوگئی کہ وہ بھی پانی میں رہتا ہے۔

(۲) اگر مصرع بہ جیبِ اشکِ چشمِ سرمہ آلود۔ پڑھیں تو اس صورت میں محبوب کی سرمہ آلود آنکھ کا آنسو مراد ہوگا۔ آنسو کی وجہ سے چشمِ سرمہ آلود ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پانی کے اندر موتی کے دانتوں پر مسی لگی ہو۔

دندانِ گہر کے معنی وہ دانت جو موتی کی طرح ہیں، یا جو موتی سے بنے ہیں بھی لئے جا سکتے ہیں لیکن اس صورت میں اشک کی معنویت جاتی رہے گی۔ اشک کی وجہ سے پانی کا وجود ہوتا ہے جو موتی کیلئے مناسب ہے۔ غالب کی ابتدائے عمر کی دقّتِ خیال کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دندانِ گہر سے موتی مُراد لیا جائے۔

شفق سا لبا موجِ خوں ہے رگِ خواب
کہ مژگانِ کشودہ نیشتر ہے

رگِ خواب اس رگ کو کہتے ہیں جس کے دبانے سے آدمی پر غشی طاری ہونے لگے۔ غالب نے محض نیند کی رگ کے معنی میں استعمال کیا ہے کہتے ہیں کہ ہمیں نیند کیونکر آئے ہماری آنکھ کھلی رہتی ہے اور پلک رگِ خواب پر نشتر کا کام کرتی ہے جس کی وجہ سے رگِ خواب سے خون کی موجیں نکل کر شفق کی سی سُرخی پھیلی ہوئی ہے۔ اگر رگ پر مسلسل نشتر لگتا رہے تو نیند کا کیا سوال ہے۔

کرے ہے روئے روشن آفتابی
غبارِ خطِ رُخ، گردِ سحر ہے

آفتابی: بہت سُرخ۔ آفتاب کا سا جلوہ کرنا۔ گردِ سحر: صُبح کے وقت مشرق پر جو نور چھٹکتا نظر آتا ہے اسے اُڑتے ہوئے سفید غبار سے مشابہ کر سکتے ہیں۔

محبوب کا روشن چہرہ آفتاب کا کام کر رہا ہے۔ اس کے چہرے پر خط، نورِ سحر کے غبار کی طرح ہے۔

ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ
اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

ایک عمر نالے کی مشق کرتے ہی صرف ہوگئی۔ اس کی تاثیر کیونکر ہوتی۔ اس کے لئے دوسری عمر چاہیئے۔ اس عمر میں رونا بے فائدہ ہی رہا۔

اسدؔ ہوں میں پر افشانِ رمیدن سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

پرافشاں : پر جھاڑتا ہوا، ترکِ علائق کرتا ہوا۔ رمیدن : بھاگنا یعنی کوچ کرنا۔ سوادِ نوا : اطراف۔ اے اسدؔ میں دُنیا سے کوچ کرنے کی تیاری میں پر جھاڑ رہا ہوں یعنی ترکِ علائق کر رہا ہوں، کاہیدہ ہوتا جا رہا ہوں۔ شعر کی بستی گردِ سفر میں چھُپ گئی ہے اور اب نظر نہیں آتی۔ یعنی چل چلاؤ کی وجہ سے شعر و شاعری کا ولولہ نہیں رہا۔

(۶۰) اے اسدؔ، مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف

صاحبِ دلہا، وکیلِ حضرتِ اللہ ہے

اے اسدؔ حضرت علی کے در سے مایوس مت ہو۔ وہ لوگوں کے دلوں کے آقا ہیں اور اللہ کی جناب کے وکیل ہیں یعنی خدا کے حضور میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

غیر مطبوعہ رُباعیات

بے گریہ کمال ترجبینی ہے مجھے — در بزمِ وفا، خجل نشینی ہے مجھے

محرومِ صدا رہا بغیر از یک بار — ابریشمِ ساز، موئے چینی ہے مجھے

ترجبینی : شرمندگی کیونکہ غیرت سے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔ ابریشمِ ساز : ساز کے تار۔ ابریشم کے مجازی معنی تارِ ساز کے بھی ہیں۔ موئے چینی : چینی کے برتن کا بال یا باریک شگاف جس کے پڑنے کے بعد برتن میں سے جھنکار نہیں نکلتی۔

میں روئے بغیر بڑی شرمندگی محسوس کرتا ہوں۔ حسن و عشق کی بزم میں گریہ وفا کی نشانی سمجھا جاتا ہے لیکن میں چونکہ رو نہیں رہا ہوں اس لئے وہاں بڑی ندامت کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔ میں ایک دفعہ کے علاوہ ہمیشہ آواز سے محروم رہا۔ میرے لئے چینی کے پیالے کا بال ہی باجے کا تار ہے۔ پیالے میں جب بال پڑتا ہے تو وہ کسی چیز سے ٹکرانے کے سبب ہوتا ہے اس وقت پیالے میں سے جھنکار نکلتی ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی جھنکار نہیں نکلتی۔ جب میں اس بال سے اپنے ساز کا تار تیار کر رہا ہوں تو میرا ساز بے آواز ہی رہے گا یعنی میں نالہ نہیں کر سکتا۔ زندگی میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ ظاہر ہے کہ ولادت کے وقت ہوا ہوگا۔ اس کے بعد سے خاموش ہوں۔

گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج — یعنی تبِ عشق شعلہ پرور ہے آج

ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار — قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

گلخن شرر اہتمام : بھٹی کے سے شرر پیدا کرنے والا۔ تبِ عشق : عشق کی حدت۔ میرا بستر آج آگ کی بھٹی کی طرح چنگاریاں برسا رہا ہے یعنی عشق کی سوزش اب شعلے اُگانے لگی ہے۔

میں نے قاصد کو محبوب کے پاس بھیجا لیکن محبوب نے اسے ہلاک کر دیا۔ میں اس صدمے سے بیمار ہو گیا ہوں۔ بیمار آدمی کا پیشاب صاف نہیں رہتا۔ میرا پیشاب خونِ کبوتر کی طرح سُرخ آرہا ہے جس کے معنی ہیں کہ میں بہت بیمار ہوں۔ کبوتر کو قاصد بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ خونِ کبوتر کبوتر کے قتل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ قارورے کو خونِ کبوتر سے مشابہ کرنے میں یہ رعایت ملحوظ ہے۔ پہلے مصرع کی قرأت گلخن، شرر اہتمام بستر ہے آج بھی ہو سکتی تھی۔ یعنی میرا بستر بھٹی کی طرح ہے اور شرر بار ہے۔ لیکن غالبؔ کے ابتدائی کلام میں دو اسموں کو مرکب کر کے ایک اور لفظ شامل کر کے مرکب بنانے کا رُجحان بہت عام ہے اس لئے غالباً انھوں نے "گلخن شرر اہتمام" ایک ہی ترکیب کے طور پر استعمال کیا ہوگا۔

ضمیمۂ نسخۂ عرشی کے چند اشعار

نسخۂ عرشی طبعِ اوّل کے بعد عرشی صاحب کو متفرق ذرائع سے غالبؔ کا کچھ اور کلام ملا۔ ان منتشر اشعار کو ان کے صاحبزادے اکبر علی خاں نے "ضمیمۂ نسخۂ عرشی" کے عنوان سے رسالہ العرش شمارہ ۱۰ بابت نومبر ۱۹۶۴ء میں شائع کر دیا۔ ان تمام اشعار کے بارے میں یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غالبؔ ہی کے ہیں لیکن زیادہ تر انھیں کے ہیں۔ جامعیت کی خاطر میں اس ضمیمے کو بھی اس شرح کے حصار میں لے لیتا ہوں۔ ان میں محض چند اشعار ہی میں کوئی پہلو حل طلب ہے۔ انھیں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ جن اشعار کا غالبؔ سے انتساب مشکوک تھا انھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(۱)

یارانِ رسول یعنی اصحابِ کبار — ہیں گرچہ بہت خلیفہ ان میں ہیں چار

ان چار میں ایک سے ہو جس کو انکار — غالبؔ وہ مسلمان نہیں ہے زنہار

غالب پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا تھا تو اُنہوں نے اپنی برات میں چند رباعیاں لکھی تھیں۔ مندرجہ بالا رُباعی اُنہیں میں سے ہے۔ اس رُباعی کے معنی صاف ہیں۔ صرف تیسرے مصرع کی ایک نہفتہ شوخی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے بہ ظاہر اس مصرع اور شعر کے معنی یہ ہیں کہ "چاروں خلفا میں سے کسی ایک سے بھی کوئی انکار کرے تو وہ مسلمان نہیں۔" لیکن غالب نے ایک یہ پہلو بھی ذہن میں رکھا ہے "ان چاروں خلفا میں سے صرف ایک یعنی حضرت علی ایسے ہیں کہ کوئی ان سے انکار کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔"

(۱۴)

اس قدر ضبط کہاں ہے کبھی آ بھی نہ سکوں
ستم اتنا تو نہ کیجیے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

پہلے مصرع کے الفاظ اور ترکیب ناقص ہیں۔ کہنا یہ چاہتے تھے "کبھی آ ہی نہ سکوں مجھ میں اس قدر ضبط کہاں ہے" "ہی" کی جگہ "بھی" لانے سے شعر کے معنی ہی بدل گئے۔ اب اس مصرع کی تشریح یوں کی جائے گی۔

آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کبھی آپ کی بزم میں گستاخی نہ کروں بلکہ کبھی آپ کے سامنے آؤں ہی نہیں۔ یہ تو ممکن تھا کہ میں بزم میں آتا، خاموشی سے آپ کا نظارہ کرتا رہتا بات چیت سنتا رہتا لیکن شدّتِ جذبات کو اتنا ضبط نہیں ہے کہ کبھی آپ کے سامنے آ بھی نہ سکوں۔